اکابر علمائے دیوبند

اتباع شریعت کی روشنی میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اکابر علمائے دیوبند
اتباع شریعت کی روشنی میں

اکابر
علمائے دیوبند
اتباع شریعت کی روشنی میں

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

☆☆☆☆☆

تسہیل: حافظ محمد سلیمان

عمر پبلی کیشنز
یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 7356963

U/0087/09-04-S/R

نام کتاب	:	اکابر علمائے دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں
از	:	حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ
تسہیل	:	حافظ محمد سلیمان
باہتمام	:	حافظ محمد احمد چوہدری
اشاعت	:	ستمبر 2004ء
ناشر	:	عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ
		اردو بازار لاہور فون:7356963
قیمت	:	70:00 روپے

بسم اللہ الرحمن الرحیم
اللھم
صل علی محمد وعلی آل محمد
کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید
اللھم
بارک علی محمد وعلی آل محمد
کما بارکت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم
انک حمید مجید

ٹی وی کے موضوع پر لکھی جانے والی تحریروں میں
سب سے زیادہ مفصل، مدلل اور نصیحت آموز اچھوتی کتاب

حافظ محمد صابر صفدر
رئیس مدرسہ اقرأ سرگودھا

مضامین

مضامین

مضامین

مضامین

مضامین

اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ (القرآن)

بچوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت کے موضوع پر نہایت اہم
اور ہر ماں باپ کیلئے قابل مطالعہ کتاب

مؤلف

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

عمر پبلی کیشنز یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 7356963

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحمدُہٗ وَنصلّی عَلٰی رسُولہ الکریُم

عزیزم مولوی محمد شاہد سلمہٗ بعد سلام مسنون، کئی سال ہوئے تم نے مجھ پر اصرار کیا تھا کہ میں اس اعتراض کا جواب لکھوں کہ ان علماءِ دیو بند کے درمیان اپنے اکابر کے ساتھ جو عقیدت ہے وہ کہیں دوسری جگہ نہیں پائی جاتی۔ ان علماء کے اکابر کے بظاہر خلاف شرع اگر کوئی کچھ لکھے تو یہ تکفیر تک پہنچا دیتے ہیں اور جب معلوم ہو کہ یہ الفاظ تو انہیں کے اکابر کے ہیں تو اس کی تاویلیں کرتے پھرتے ہیں۔ میں نے تمہارے اس اعتراض کو باوجود تمہارے اصرار کے توجہ کے قابل نہیں سمجھا اور اپنے مشاغل کو ان فضولیات کی وجہ سے چھوڑنا نہیں چاہا۔ میں نے اس قسم کا فقرہ تو بہت بچپن میں جب میری عمر غالباً دس برس کی تھی حضرت قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ اعلی اللہ مراتبہ کے انتقال پر جو حضرت شیخ الہند نے مرثیہ لکھا تھا اور میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے کئی ہزار چھپوایا تھا اور خوب مفت بانٹا تھا مجھے بھی قریب

قریب سب یاد تھا اور خوب مزے لےلیکر پڑھا کرتا تھا اور میرے کان میں یہ پڑا کرتا تھا کہ دیکھو اگر یہ شعر ہم کہیں تو ہم کافر ہو جائیں مگر چونکہ شیخ الہندؒ نے کہہ دیا اس لئے کوئی اس پر لب کشائی نہیں کرتا۔ اور میں ان فقروں کو سن کر یوں دل کو سمجھا لیا کرتا تھا کہ یہ جاہل آدمی ہیں حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کی جوتوں کی خاک بھی نہیں ہو سکتے یہ حضرت کے کلام کو کیا سمجھیں۔ اس کے بعد جب میری عمر تقریباً ۱۲ برس کی تھی اور والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ساتھ سہارنپور آیا تو میرے والد صاحب کا معمول یہ تھا کہ مدرسہ کے وقت کے علاوہ جو وقت گذرتا وہ موچیوں کی مسجد میں گذارا کرتے تھے، البتہ آرام گھر پر کیا کرتے تھے۔ اُس زمانہ کے طالب علم قابل رشک تھے۔ وہ اُستادوں کی خدمت کو عبادت سمجھا کرتے تھے، کوئی خدمت کسی اُستاد کی ہو جائے تو اُن کے لئے موجب فخر تھی۔ آج کل کے روشن خیالوں کی طرح سے نہیں تھے جو یوں سمجھتے ہیں کہ ان اساتذہ کو میری بدولت ہی تنخواہیں اور روٹیاں مل رہی ہیں۔ وہ گرمی کا زمانہ تھا۔ ایک مرتبہ میرے والد صاحب عصر کے بعد موچیوں کی مسجد میں کنوئیں کے قریب تشریف فرما تھے اور دو تین ولایتی طالب علم کنوئیں پر کھڑے ہوئے دمادم کنوئیں سے ڈول کھینچ کر والد صاحب پر ڈال رہے تھے۔ ایک ختم نہیں ہوتا تھا کہ دوسرا شروع ہو جاتا تھا۔ مولوی امداد کے والد حافظ مقبول مرحوم بھی میرے والد صاحب کے معتقدین میں تھے اور وہ بھی اکثر عصر کے بعد وہاں چلے جایا کرتے تھے، وہ کہنے لگے حضرت جی! یہ اسراف نہیں۔ میرے والد صاحب نے فرمایا تمہارے لئے اسراف ہے میرے لئے نہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ کیا بات؟ والد صاحب نے فرمایا تو جاہل اور میں مولوی۔ حافظ جی نے کہا یہ تو وہی بات ہوگئی جو لوگ کہیں کہ یہ مولوی اپنے واسطے ہر چیز کو

جائز کر لیں۔ میرے والد صاحب نے کہا کہ مولوی تو اس فقرہ پر خواہ مخواہ شرمندہ ہوں۔ وہی کام تم اگر کرو تو ناواقفیت کی وجہ سے گناہ ہوگا اور مولوی اسی کام کو جائز کر کے کرے گا۔ انہوں نے وجہ پوچھی تو میرے ابا جان نے فرمایا کہ عربی پڑھو۔ یہ تو تمہیں بھی یاد ہو کہ میرے والد صاحب کا عام مقولہ تھا۔ کہ یہ مشغول لوگ بالخصوص وکلاء یا انگریزی اسکولوں کے ماسٹر مجھے ۲۷ گھنٹے دیں تو میں انہیں مولوی بنادوں، اور یہ تفریحی فقرہ نہیں تھا بلکہ ان کے نصاب کے پڑھے ہوئے کئی وکلاء اس زمانہ کے اس سے بھی کم وقت میں اچھے خاصے مولوی ہو گئے وہ ۲۷ گھنٹے مسلسل نہیں مانگتے تھے بلکہ ہر اتوار کو دو گھنٹے مانگتے تھے۔ اور ان دو گھنٹوں میں اتنا کام ان کے سپرد کر دیتے تھے کہ اگلے اتوار تک اس کو یاد کر کے لاؤ۔ اس زمانہ کے مشہور وکیل مولوی شہاب الدین مولوی منفعت علی صاحب کو تو شاید تم نے بھی سنا ہو، سہارنپور کے لیگ کے صدر، حضرت تھانویؒ کے مجاز صحبت، میرے مخلص دوست، اب تو وہ بھی پاکستان جانے کے بعد مرحوم ہو چکے۔ بیچ میں بات آ گئی، مگر اس کے نظائر بہت تھے اور مولوی شبیر علی صاحب مرحوم نے، اکمال الشیم، کے مقدمہ میں جو خط لکھا ہے اس میں اس طرزِ تعلیم کا بھی ذکر کیا ہے۔ حافظ مقبول اصرار کرتے رہے اور میرے والد صاحب اصرار کرتے رہے کہ عربی پڑھو مولوی ہو جاؤ گے، اُس وقت تو یہ اسراف والا مسئلہ میری بھی سمجھ میں نہیں آیا، مگر جب مشکوٰۃ شریف پڑھی اور بابُ الربوا میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث جس میں ذکر کیا ہے کہ:

حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضورِ اقدس ﷺ کی خدمت میں برنی کھجوریں لائے جو بہت عمدہ ہوتی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ کہاں سے لائے؟ اُنہوں نے فرمایا میرے پاس گھٹیا کھجوریں تھیں، اس میں سے دو صاع (ایک

پیمانہ ہے) کے بدلہ میں یہ ایک صاع بڑھیا خرید لیں۔ حضورِ اقدس ﷺ نے فرمایا۔ ''ہائے ہائے یہ تو عین سود ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''ایسا کبھی نہ کیجئے، اگر ایسا کرنا چاہو تو ردی کھجوروں کو داموں سے فروخت کر دو اور ان داموں سے عمدہ کھجوریں خرید و۔'' اُس وقت معاً مجھے موچیوں کی مسجد کے ڈول یاد آئے کہ مولوی اور جاہل میں یہ فرق ہے کہ دو صاع ردّی تمر کے بدلہ میں ایک صاع عمدہ کھجور خریدنی یقیناً عین ربوا ہے، لیکن جو ترکیب حضور ﷺ نے بتلائی کہ ان ردّی کھجوروں کو مثلاً ایک روپیہ میں بیچ دو اور اسی ایک روپیہ سے عمدہ کھجوریں ان سے آدھی خرید لو۔ بات تو ایک ہی رہی کہ جاہل آدمی اگر دو۲ صاع گھٹیا کھجور کے بدلہ میں ایک صاع خرید لیگا تو عین ربٰوا ہوگا اور مولوی گھٹیا دو صاع کھجوروں کو ایک روپیہ میں بیچ کر اس ایک روپیہ کی عمدہ کھجوریں ایک صاع خرید لے تو یہ ربٰوا نہیں رہا۔ دیکھنے میں تو بات ایک ہی رہی کہ دو صاع گھٹیا کھجوروں کے بدلہ میں ایک صاع عمدہ مل گئیں مگر حضورِ اقدس ﷺ نے جو ترکیب بتلا دی اُس پر مولوی ان گھٹیا کھجوروں کو ایک روپیہ میں بیچ کر عمدہ خرید لے تو وہ جائز۔ اور اُسی وقت سے یہ مضمون خوب ذہن نشین ہو گیا کہ ایک بات عالم کرے تو جائز اور جاہل کرے تو ناجائز۔ ہمارے مدرسہ کے مہتمم اوّل حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب نور اللہ مرقدہٗ بہت ہی بزرگ، بہت ہی متّقی و پرہیز گار تھے۔ شاید میری آپ بیتی میں کہیں تذکرہ آ بھی گیا ہو۔ وہ مہتمم بھی تھے کہ دار الافتاء مدرسہ میں مستقل اُس وقت تک قائم نہیں ہوا تھا، اور محصل چندۂ شہر بھی تھے کہ جب اپنے مکان سے مدرسہ تشریف لاتے اور راستہ میں کسی ایسے شخص کی دکان یا مکان پڑتا جس کے متعلق محصل چندہ نے مہتمم صاحب سے یہ شکایت کی ہو کہ فلاں کے پاس گیا تھا مگر چندہ نہیں دیا تو مہتمم صاحب اپنے

مکان سے آتے ہوئے اس کے مکان یا دکان پر ہو کر آتے کہ ارے بھائی تمہارا چندہ نہیں آیا۔ وہ بیچارہ صورت دیکھ کر کھڑا ہو جاتا اور اُسی دن پہنچا دیتا۔ حضرت مہتمم صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ مدرسہ کے چندہ میں جو زیورات آتے اُن کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کراتے تھے، بلکہ خود بہ نفسِ نفیس گھر آتے یا جاتے فروخت کر کے لایا کرتے۔ اور ہیرا نام ایک بہت بڑا صراف تھا اُسی سے معاملہ ہمیشہ کیا کرتے تھے اور وہ بھی مہتمم صاحب کا اتنا معتقد ہو گیا تھا کہ بہت رعایت مہتمم صاحب کی کیا کرتا تھا، جب طلائی زیور فروخت کرتے تو اوّل اُس صرّاف سے چاندی کے روپے قرض لیا کرتے اور اس سے خرید و فروخت کر کے پھر اُس کے روپے قرض کے واپس کر کے چلے آتے۔ وہ بہت غور سے دیکھا کرتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے، اور جب چاندی کے زیور کی خرید و فروخت ہوتی تو اس سے پہلے اشرفیاں قرض لیا کرتے اور اس سے معاملہ کرنے کے بعد پھر واپس کر دیا کرتے۔ وہ پوچھتا مولانا صاحب! اس ہیر پھیر میں کیا فائدہ ہوا؟ بات تو ایک ہی رہی۔ تو حضرت مہتمم صاحبؒ اُس کو سمجھایا کرتے کہ ہمارے مذہب میں چاندی سونے کے فروخت کرنے میں خاص طریقہ ہے اور اُسے سمجھاتے۔ وہ صراف بھی بیع صرف کے مسئلوں میں اتنا ماہر ہو گیا تھا کہ عام لوگوں کو تو نہیں مگر جب کوئی مولوی قسم کا آدمی اُس کے یہاں خرید و فروخت کے لئے جاتا تو اوّل تو وہ صرّاف عام طریقہ سے بیچ دیتا اور جب وہ مولانا صاحب اُٹھتے تو وہ صرّاف کہتا مولانا صاحب! ذرا تشریف رکھئے، یہ جس طرح خریدا ہے یہ آپ کے مذہب میں ناجائز ہے۔ اکثر مولوی تو یہ لفظ سُن کر چکراتے، اور بعضے جوشیلے اُس کو کہتے کہ ہمارے مذہب سے ہم واقف ہیں یا تو۔ بہت بڈھا تھا، وہ کہتا مولانا صاحب پہلے تشریف رکھئے، خفا نہ ہوئیے پہلے میری بات سُن

لیجئے۔ پھر اُسے سمجھا تا کہ آپ کے مذہب میں اس طرح جائز ہے تو وہ بھی سوچ میں پڑ جاتا اس لئے کہ اس مسئلہ میں وہ مولوی صاحب جاہل ہوتے تھے اور وہ مشرک مسئلہ کا واقف تھا۔ منتہیٰ کے اعتبار سے تو بات ایک ہی رہتی، لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ، کے کھجوروں کی طرح سے ذرا سے تغیر سے وہ ناجائز معاملہ جائز بن جاتا۔

حافظ ابن قیم نے ''مفتاح دار السّعادۃ'' (صفحہ۱۷۶جلد۱) میں لکھا ہے کہ قواعد شرع بلکہ قواعد حکمت میں سے بھی یہ ہے کہ جس کے حسنات کثیر اور عظیم ہوں اور اسلام میں اُس کی تاثیر ظاہر ہو تو ایسے شخص سے بہت سی ایسی چیزیں برداشت کی جاسکتی ہیں جو دوسرے سے نہیں برداشت کی جاسکتیں۔ اور اس کی بہت سی ایسی باتیں معاف کی جاسکتی ہیں جو دوسروں سے معاف نہیں کی جاسکتیں۔ کیونکہ گناہ ناپاکی ہے اور پانی جب دو۲ مٹکے کی مقدار میں ہو تو وہ ناپاکی کو برداشت کر لیتا ہے (یعنی ناپاک نہیں ہوتا) بخلاف تھوڑے پانی کے کہ وہ تھوڑی ناپاکی پڑنے سے خود بھی ناپاک ہوجاتا ہے۔ اسی قبیل سے حضورِ اقدس ﷺ کا وہ فرمان ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ ''تمہیں کیا پتہ کہ اللہ جل شانہ نے اہل بدر کو کہہ دیا ہو کہ جو چاہو کرو میں نے سب معاف کر دیا۔'' اور یہی وہ مانع ہے حضور اقدس ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کفار کی جاسوسی کی تھی۔ اُس وقت حضور ﷺ نے یہی بات فرمائی تھی کہ یہ بدر میں شریک تھا۔ تو یہ بات اس کی طرف مشعر ہے کہ سزا کا سبب تو (یہ جاسوسی) قائم ہے لیکن اس کا بدر میں شریک ہونا اس کے اثر کے ترتب سے مانع ہے تو ان کی یہ عظیم غلطی ان کے حسنات کے مقابلہ میں معاف ہوگئی۔ اسی طرح سے جب حضور ﷺ نے صدقہ کے لئے لوگوں کو اُبھارا تو حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ نے بہت بڑا صدقہ دیا تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ: اس کے بعد عثمانؓ جو چاہے کریں اُن کو کچھ نقصان نہیں دے سکتا۔ ایسا ہی حال حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا ہے کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قذف میں شریک تھے اس کے باوجود اُن کی محبت حضور اقدس ﷺ اور تمام صحابہؓ اور آج تک تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہے۔ یہ اسی وجہ سے کہ وہ اپنے اشعار کے ذریعہ سے حضور اقدس ﷺ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب حضرت عروۃ بن الزبیرؓ نے حضرت حسانؓ کو بُرا بھلا کہا تھا اُن کی تردید کی تھی اور فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو یہ حضورِ اقدس ﷺ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے۔ اسی کے قریب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دوسری شہادت حضرت اُم المؤمنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے کیونکہ ان دونوں کے مابین بھی وہ کشیدگی تھی جو سوکنوں کے درمیان ہوا کرتی ہے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا میں بعض ایسی چیزیں تھیں جن پر ان کا مؤاخذہ ہوسکتا تھا۔ لیکن اس چیز نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بارے میں انصاف اور تعریف سے نہیں روکا اور فرمادیا کہ ازواجِ مطہراتؓ میں سے مجھ سے حضور اقدس ﷺ کے نزدیک جو میرا مرتبہ تھا اُس میں مجھ سے مقابلہ کیا کرتی تھیں، اور میں نے کوئی عورت دین میں زینبؓ سے بہتر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والی اور ہر اُس عمل میں جو اللہ سے قریب کرے کوشش کرنے والی نہیں دیکھی۔ ہاں ان میں تیزی تھی، مگر جلد ہی ٹھنڈی ہو جایا کرتی تھیں...... تو ہمارے لئے بہتر اور درست ہے کہ ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اُن کے انصاف میں اقتداء کریں اور ان کے تلمیذ حضرت سعید بن المسیبؒ کی اقتداء کریں جنہوں نے ان کے طریقہ کو سمجھا اور ان کے مسلک

کو اختصار کر کے قانون جرح و تعدیل کا ایک بند بنا دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ کوئی شریف یا عالم یا مرتبہ والا شخص ایسا نہیں جس کے اندر عیب نہ ہو۔ لیکن بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے عیوب کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہوتا لہٰذا جس کی بھلائیاں اُس کی بُرائیوں سے زیادہ ہوں تو اُس کی بُرائیاں اُس کی بھلائیوں کی وجہ سے برداشت کر لی جائیں گی۔

سلف و خلف میں محققین کا یہی طریقہ رہا ہے۔ حتّٰی کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ جیسے متشدد حضرات بھی اولیاء اللہ کے کلام کی تاویل کرتے چلے آئے ہیں۔ اوران کے فتاویٰ میں بیسیوں جگہ مشہور اکابر صوفیاء کے کلام کی بہت کثرت سے تاویل کی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے کالم کی تو تاویل کثرت سے ان کے فتاویٰ میں کی گئی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ بعض شیوخ کے کلام میں ہے کہ محبت ایک آگ ہے جو محبوب کی مُراد کے علاوہ ہر چیز کو جَلا دیتی ہے۔ اس سے بعضوں نے یہ غلط معنی نکالے ہیں کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے تو انہوں نے محبت کا کمال اس کو سمجھا کہ جو ہو رہا ہے سب اللہ تعالیٰ کے ارادِہ سے ہو رہا ہے اس لئے ہر چیز سے محبت کی جائے چاہے وہ کُفر ہو، فسق ہو، گناہ ہو۔ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حالانکہ اس مقولہ سے مراد صاحبِ مقولہ کی یہ تھی کہ محبوب کی مُراد سے اللہ تعالیٰ کا وہ ارادہ ہے جو دینی اور شرعی ہو، یعنی ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں۔ گویا مقولہِ کا مطلب یہ ہوا کہ محبت آگ ہے اور ہر اُس چیز کو جَلا دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہ ہو۔ اور یہی صحیح معنی ہے کہ محبت کا کمال یہی ہے کہ جو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں وہی بندہ چاہے۔ (فتاویٰ ص ۲۱۰/۱۰)

دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ مشائخ حقہ جب اس طرح کے الفاظ کہیں کہ

میں اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں دیکھتا تو اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ مَیں اللہ تعالیٰ کے علاوہ ربّ کی حیثیت سے کسی کو نہیں دیکھتا۔ اور خالق اور مدبر اور معبود کی حیثیت سے کسی کو نہیں دیکھتا۔ اور یہ کہ اس کے علاوہ پر جب نظر پڑتی ہے تو نہ اس کی محبت ہوتی ہے نہ اس سے خوف ہوتا ہے۔ کیونکہ آنکھ تو اسی کو دیکھتی ہے جس سے دل لگا ہوا ہو۔ اس قول سے مشائخ کی یہ مُراد ہرگز نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جن مخلوقات کو میں دیکھ رہا ہوں یہ ربّ ہیں یا خالق سمٰوات والارض ہیں۔ کیونکہ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے کہ جو انتہائی گمراہی اور فسادِ عقلی وفسادِ اعتقاد تک پہنچا ہوا ہو۔ (فتاوٰی صفحہ ۲۲۲ جلد ۱۰)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہی (فتاوٰی صفحہ ۳۳۹ جلد ۱۰) کہ فنا کی دوسری قسم یہ ہے کہ ماسوی اللہ کے مشاہدہ سے دل فارغ ہو جائے۔ اسی فنا کی حالت میں بعض دفعہ آدمی سے ایسے کلمات صادر ہو جاتے ہیں جیسے اَنَا الْحَقّ یَا سُبْحَانی ما اعظم شانی اورما فی الجبّة الاّ اللّٰه، یعنی نہیں ہے کوئی جبہ میں اللہ کے سوا۔ یہ اس حالت میں پیش آتا ہے جب مشہود کے شہود سے اور موجود کے وجود سے اور مذکور کے ذکر سے اور معروف کے عرفان سے بھی فنا ہو جاتا ہے۔ اور اس جیسے مقام پر وہ اس بے ہوشی میں ہوتا ہے کہ جہاں تمیز ختم ہو جاتی ہے باوجودیکہ حلاوتِ ایمان موجود ہوتی ہے۔

دوسری جگہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ روحہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مخلوق سے فنا ہو جا اور مالک ہی کے حکم سے اپنے خواہشات سے فنا ہو جا، اور اللہ تعالیٰ کے فعل کی وجہ سے اپنے ارادِہ سے فنا ہو جا۔ جب یہ ہو جائے گا تو تم اس قابل ہوگے کہ تم اللہ تعالیٰ کے علم کا برتن بن جاؤ۔ شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں اللہ کے حکم سے مراد یہ ہے کہ مخلوق کی عبادت اور اس پر توکل سے فنا

ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اُس کے توکّل میں آ جا۔ پس مخلوق کی اطاعت نہ کر اللہ تعالیٰ کی معصیت میں نہ ان سے دفع مضرت یا جلب منفعت میں امید متعلق کر اور خواہشات اور ارادہ سے فنا اللہ تعالیٰ کے امر اور فعل کی وجہ سے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا ہر فعل شرعی حکم کے موافق ہو، خواہش نفس کے موافق نہ ہو۔

(فتاویٰ صفحہ ۴۹۰ جلد ۱۰)

پھر اس کی بڑی لمبی تفصیل کی ہے اور بہت سی جگہ فتاویٰ میں صوفیائے محققین اور خاص طور سے شیخ عبدالقادرؒ کے کلام کی توجیہ کی ہے۔ اسی طرح ان کے شاگرد رشدی حافظ ابن قیمؒ نے مدراج السالکین شرح منازل السائرین میں مؤلف منازل شیخ الاسلام ہروی صوفی کے کلام کی جگہ جگہ تاویل کی ہے۔ ایک جگہ تو یہاں تک فرمایا کہ اللہ تعالی، ابو اسمٰعیل (شیخ الاسلام ہروی) پر رحم کرے کہ انہوں نے زنادقہ کے لئے (اپنے کلام سے) کفر والحاد کا دروازہ کھول دیا جس کی وجہ سے زنادقہ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ شیخ اُن کے عقیدہ پر ہیں۔ حالانکہ شیخ ان کے عقیدہ پر نہیں ہیں۔ آگے ان کا کلام ذکر کرتے ہیں۔ فنا کے بارے میں کہتے ہیں کہ فنا یہ ہے کہ حق کے علاوہ ہر چیز سے غیوبت ہو جائے علم کے لحاظ سے بھی اور پھر ماسوی کا انکار بھی کرے پھر حقا بھی الخ۔ اس کی شرح میں حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ ماسویٰ کے انکار سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ وجود سے بالکلیہ معدوم ہو جاتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ ذہن میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے حاشا و کلا شیخ الاسلام ہروی اتحاد کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ بلکہ اس سے بری ہیں چاہے ان کی اس عبارت سے ان کا ایہام ہوتا ہے، بلکہ اس عبارت کا مفہوم ہی یہی ہے۔ پھر شیخ الاسلام کی عبارت کو اور ان کے عقیدہ کو صحیح طور سے بیان کیا ہے۔ (مدارج السالکین ص ۱/۱۴۷)

دوسری جگہ بعض مشائخ کے اس مقولہ کے بارے میں ''جس گناہ کولوگ ہلکا سمجھیں وہ کبیرہ ہے اور جسے لوگ بہت بڑا سمجھیں وہ صغیرہ ہے۔'' لکھتے ہیں کہ اس سے اگر یہ مراد لی جائے کہ کبیرہ وصغیرہ گناہ کا مدار لوگوں کے ذوق پر ہے تو یہ معنی باطل ہے کہ لوگ تو بدنظری کو ہلکا سمجھتے ہیں اور زنا کو بڑا سمجھتے ہیں اور حقیقۃً بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ اگر اس سے مراد یہ ہے کہ کسی گناہ کو لوگ اگر لاپرواہی سے ہلکا سمجھیں تو یہ اللہ کے نزدیک کبیرہ ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے خدا کے خوف کی وجہ سے بہت بڑا سمجھیں تو یہی گناہ خوف کی وجہ سے صغیرہ ہو جاتا ہے۔ اور حدیث بھی اسی معنی کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض گناہوں کو اپنے علو مرتبت اور کمال عند اللہ کی بناء پر موبقات اور مہلکات میں سے سمجھتے تھے اور انہی گناہوں کو بعد میں آنے والے جو اُن سے کم مرتبہ تھے بہت ہلکا سمجھنے لگے۔ (مدارج السالکین ص ۲۲۴)

میرا مقصود ان مضامین کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ جن کا تدین وتقویٰ اور اتباع شریعت محقق ہو ان کے اقوال کی تاویل کرنی پڑتی ہے اور متشدد لوگوں نے بھی کی ہے۔ یہ سمجھنا کہ یہ اپنی جماعت کی حمایت ہے حقیقت حال سے ناواقفیت ہے، بلکہ علم سے بھی ناواقفیت ہے۔ ہر شخص کا ایک درجہ ہوتا ہے، ہر کس وناکس کے کلام کی تاویل نہیں کی جاتی۔ اور میرا عقیدہ اکابرِ دیوبند اعلی اللہ مراتبہم نور اللہ مراقدہم کے متعلق یہ ہے کہ وہ جہاندۂ علوم ہیں، ان کے کلام میں غلطی تو ہوسکتی ہے مگر ان کی غلطی کو پکڑنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اگر ان کے کلام کو صرف الفاظ لکھ کر کوئی شخص کسی مفتی سے فتویٰ لے لے تو مفتی ظاہر الفاظ پر حکم لگائے گا، مفتی کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ ہر کلام کی تحقیق کرتا پھرے کہ یہ کس کا ہے۔ البتہ جب یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ کلام اتنے بڑے شخص کا ہے تو

مفتی کے ذمہ بہت ضروری ہے کہ وہ صاحبِ کلام کا حال معلوم کر کے ضرور تاویل کرے۔

ایک حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی گیا ہے کہ اللہ جل شانہٗ اپنے بندہ کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ مسرور ہوتے ہیں جیسا تم سے کوئی آدمی اپنی اونٹنی پر چٹیل جنگل میں جا رہا ہو وہ اُونٹنی اپنا مہار چھڑا کر بھاگ جائے۔ اسی اونٹنی پر اُس کے کھانے پینے کا سامنا ہواور وہ آدمی اُس اُونٹنی کے پکڑنے سے مایوس ہو کر اور اپنی ہلاکت کا خیال کر کے ایک درخت کے پاس آ کر پڑ جائے کہ اب مرنے کے علاوہ تو کچھ رہا نہیں۔ وہ اسی حال میں سوچ میں پڑا تھا کہ یکدم اُونٹنی اُس کے پاس آ کر کھڑی ہو جائے اور وہ فرطِ خوشی میں اس کا لگام پکڑ کر اور بے اختیار کہنے لگے ''یا اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا خدا'' خوشی کی بے اختیار میں یہ بھی انداز نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ اب تم ہی سوچو اگر کوئی شخص محض ان الفاظ کو لکھ کر استفتاء کرے کہ ایک شخص کہتا ہے کہ ''میں تیرا معبود ہوں اور تو میرا بندہ'' تو مفتی مجبور ہوگا کہ اس کے کفر پر فتویٰ لکھے۔ مگر اس حدیث پاک میں اس لفظ کو اللہ تعالیٰ کی خوشی کی مثال میں ذکر کیا گیا ہے۔

ایک اور حدیث میں آیا ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک شخص جس نے کبھی کوئی نیک کام نہیں کیا تھا جب اُس کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اپنی اولاد کو جمع کیا اور اُن کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو جلا دینا اور (پھر اُس کو پیس کر) آدھے کو دریا میں بہا دنیا اور آدھے کو ہوا میں اُڑا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ کو مجھ پر قدرت ہوگئی تو ایسا عذاب کریگا جیسا کسی پر نہیں ہوا ہوگا۔ جب وہ مر گیا تو

اولاد نے باپ کی وصیت کی تعمیل کر دی۔ اللہ جل شانہٗ نے دریا اور جنگل کو حکم دیا تو دونوں نے ان ذرّات کو جمع کر دیا اور جب وہ آدمی بن کے سامنے کھڑا ہو گیا تو اللہ جل شانہٗ نے اس سے پوچھا کہ تو نے ایسا کیوں کیا؟ تو اُس نے کہا کہ آپ کے خوف سے۔ اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت فرما دی۔ (مشکوٰۃ ص ۲۰۷)

اس نے اللہ تعالیٰ کے خوف سے الفاظِ کفریہ کہہ دیئے اور اللہ تعالیٰ نے اُس کی مغفرت فرما دی۔ اسی طرح سی جن اکابر کی دیانت، علم وتقویٰ ضرب المثل ہو اُن کے کلام میں اگر فرطِ غم یا فرطِ سرور میں اس قسم کے الفاظ آویں تو مفتی تو مجبور ہے کہ وہ کفر پر فتوے دے، مگر جب اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ فلاں اکابر کے کلام میں سے ہے تو ضرور اس کی تاویل کرے گا۔

بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے چرواہے کا قصہ بھی بہت پڑھا، بہت مزہ آیا کرتا تھے۔ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف میں بڑی تفصیل سے اس کو لکھا ہے۔ ہمارے بچپن میں تو یہ قصہ الگ چھپا ہوا دو، دو پیسے ایک ایک پیسے میں بکا کرتا تھا۔ اور میرے خیال میں یہ قصہ ہر شخص کی زبان پر تھا، اور مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چرواہے کو راستہ میں دیکھا کہ کہہ رہا ہے۔ ''اے خدا، اے اللہ آپ کہاں ہیں تا کہ میں آپ کا نوکر ہو جاؤں اور آپ کے موزے سیوؤں اور آپ کے سر میں کنگھی کروں، تو کہاں ہے تا کہ میں تیری خدمتیں کروں، تیرے کپڑوں کو سیوؤں اور بخیہ کروں، تیرے کپڑے دھوؤں اور تیری جوئیں ماروں۔ اور اے محتشم تیرے آگے دودھ لاؤں اور اگر تجھے کوئی بیماری آئے تو میں تیرا اپنوں کی طرح غم خوار ہوں، تیرے منے منے ہاتھ چوموں اور تیرے منے منے پاؤں دباؤں، اور جب سونے کا وقت آئے تو تیری جگہ کو صاف کروں اگر میں تیرا گھر دیکھ لوں تو ہمیشہ گھی اور دودھ صبح

وشام لایا کروں، پنیر اور روغنی روٹیاں اور عمدہ دہی کی مٹکیاں بناؤں اور صبح وشام لایا کروں، اور میری طرف سے کھانا لانا ہو اور تیری طرف سے کھانا ہو۔ اے وہ ذات کہ جس پر میری ساری بکریاں قربان، اور تیری یاد میں میری ہائے ہائے اور شور وغل ہے۔'' اس طرح سے وہ چرواہا بے ہودہ کہہ رہا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''کس سے ہے تیرا خطاب اے فلاں؟'' وہ چرواہا بولا۔ ''اُس شخص سے کہ جس نے ہمیں پیدا کیا اور یہ زمین و آسمان اس سے ظاہر ہوئے ہیں۔'' حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ''ہائے تو احمق ہو گیا، ابھی مسلمان بھی نہیں ہوا تھا کہ کافر ہو گیا۔'' یعنی ابھی معرفت اور علم بھی حاصل نہ ہوا تھا کہ تو اس سے پہلے ہی زبان سے ایسے الفاظِ کفریہ نکالنے لگا ہے، ارے یہ کیا بیہودگی ہے؟ اور اپنے منہ میں روئی ٹھونس لے (یعنی ایسی باتیں مت کر) تیرے کفر کی گندگی نے جہاں کو گندہ کر دیا اور تیرے کفر نے دین کے لباس ریشمی کو پارہ پارہ کر دیا۔ اگر تو ان باتوں سے حلق کو بند نہ کرے گا تو ایک آگ آئے گی اور مخلوق کو جلا دے گی...... '' وہ چرواہا بولا۔ ''آپ نے تو میرا منہ سی دیا اور پشیمانی سے میری جان کو جلا دیا۔'' مطلب یہ کہ پہلے سے تو مجھے کچھ بھی خبر نہ تھی، محبت حق میں سب کچھ کہہ رہا تھا۔ اب جو آپ نے فرمایا تو اب تو کچھ بقدر استعداد معرفت حق ہوئی تو اب تو یہ باتیں بے ادبی اور گستاخی معلوم ہوتی ہیں، اس لئے اب تو نہ کچھ کہہ سکتا ہوں اور پہلے کہے پر سخت پشیمان ہوں۔ غرضیکہ کپڑوں کو پھاڑ ڈالا اور ایک گرم آہ کی اور سر بیاباں میں رکھا اور چل دیا۔ مطلب یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نصائح سے اُس کے دل میں اور آگ لگ گئی، اس لئے کہ پہلے سے تو صرف محبت ہی تھی اور اب کچھ معرفت بھی ہوئی، اس لئے بس ایک آہِ سرد بھر کر جنگل کو نکل گیا۔ اس کی تو یہ حالت

ہوئی اور ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ تم نے ہمارے بندہ کو ہم سے کیوں جُدا کر دیا۔ جُدا کرنے سے مُراد یہ ہے کہ اُس کو جو قرب حاصل تھا اُس سے جُدا کر دیا تم تو وصل کرنے کیلئے آئے ہو نہ کہ جُدائی ڈالنے کے لئے آئے ہو۔ یعنی آپ تو حق تعالیٰ اور بندہ کے درمیان وصل کرانے کے لئے آئے ہیں، آپ جُدائی کیوں ڈالتے ہیں؟ ہر شخص کی ہم نے ایک سیرت رکھی ہے اور ہر کسی کو ہم نے ایک ایک اصطلاح بخشی ہے، اس کے حق میں تو مدح ہے اور وہی بات تمہارے حق میں مذمت ہے۔ اور اس کے حق میں شہد ہے اور تمہارے حق میں زہر ہے.........!

غرضیکہ جو مکار ہوگا جیسا کہ آجکل ہوتے ہیں۔ وہ تو تقدیس کرتے ہی نہیں ہیں۔ یہاں ذکر اُن کا ہے جو تقدیس کرتے ہیں۔ تو جو مغلوب الحال ہیں اُن کو اُن کے غلبہ حال کی حالت پر چھوڑا جائے۔ اور جو ایسے نہیں ہیں اُن کو اُن کی حالت کے مطابق تعلیم و تلقین کی جائے۔ ہم ظاہر کو اور قال کو نہیں دیکھتے بلکہ ہم باطن کو اور حال کو دیکھتے ہیں۔ تو اگر کوئی بہت ہی چرب زبان ہو اور ہماری تقدیس میں لمبے چوڑے الفاظ لائے اور دل میں کچھ نہ ہو تو ہم اس سے خوش نہیں ہوتے۔ ہاں اگر دل میں کچھ ہے تو زبان سے اچھی طرح الفاظ بھی نہ نکلتے ہوں تو وہ حق تعالیٰ کے یہاں مقبول ہے۔ اے موسیٰ، آداب کے جاننے والے دوسرے ہیں، یعنی عارفین کامل اور سوختہ جان دوسرے ہیں یعنی متوسطین اور مغلوب الحال۔ اس لئے اگر مغلوب الحال سے کوئی فعل خلاف ظاہر صادر بھی ہو جائے تو اس کو معذور رکھنا چاہیئے۔ مگر اس کو سمجھنا بہت بڑے کامل کا کام ہے۔ اور اس کو بھی جب حق تعالیٰ نے بصیرت تام دی ہو تو بعد غور و خوض کے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا عوام کے لئے ضروری ہے کہ مجذوبوں وغیرہ سے علیحدہ رہیں کہ ایسے

حضرات خود تو کامل ہوتے ہیں مگر دوسرے کے کام کے نہیں۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس چرواہے کی تلاش میں جنگل میں پھرے، آخر کار وہ مل گیا۔ جب چرواہے کو دیکھا تو فرمایا کہ بھائی خوشخبری ہو کہ اجازت مل گئی، کوئی آداب وغیرہ مت ڈھونڈ بلکہ جو کچھ تیرا دلِ تنگ کہے وہی کہہ۔

چرواہے نے سن کر یہ جواب دیا کہ اے موسیٰؑ میں اس حالت سے گذر گیا ہوں اور اب تو میں خون دل میں ملا ہوا ہوں۔ مطلب یہ کہ اب میں مغلوب الحال نہیں آپ کی اس روک ٹوک سے کچھ معرفت حاصل ہوگئی ہے۔ آپ نے ایک تازیانہ ایسا مارا کہ میرا گھوڑا اس سے آگے پہنچ گیا۔ آپ کے دست و بازو پر آفریں ہو۔

قصہ تو بڑا طویل ہے اور بہت پر لطف اور پر معانی جس کو کلید مثنوی میں بہت وضاحت سے ذکر کیا گیا۔ میرا مطلب تو اس قصہ کی طرف اشارہ سے یہ تھا کہ اہلِ سلوک وغیرہ کے احوال بہت اُونچے ہوتے ہیں جن کا ایسا ہونا معلوم ہو جائے اُن کے کلام کی ضرور توجیہ کی جائے گی اور جن کا حال ایسا نہ ہو اُس کے ظاہر حال پر حکم لگایا جائے گا۔ اس کو تعصب یا اپنی جماعت کی تائید کہنا غلط ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی اپنے فتاویٰ میں کئی جگہ اس سے بحث کی ہے۔ (فتاوی صفحہ ۴۷ جلد ۱۱) پر لکھا ہے کہ اگر اکابر شیوخ سے کوئی ایسی بات سنی جائے جو بظاہر شریعت کے خلاف ہو، تو اکثر تو اُن میں سے جھوٹی روایتیں ہوتی ہیں جو باطل لوگ اُن کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، اور جو بعض باتوں کی نسبت اُن کی طرف صحیح ہے تو ان کے صحیح جو معنیٰ ہو سکتے ہیں وہی کرنے چاہئیں۔ بہت طویل مضمون امام ابن تیمیہؒ نے مختلف جگہوں پر لکھا ہے کہ اکابر کے کلام کی تاویل

کرنی چاہئے۔ اور خود بھی اُنہوں نے بہت سے مشائخ کے کلام کی تاویل کی ہے۔ بالخصوص شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃُ اللہ علیہ کے کلام کی تو اکثر تاویل کرتے ہیں جس کی کچھ مثالیں پہلے گذر چکی ہیں۔ یہی وجہ ہ کہ ہم لوگ اپنے اکابر کے اقوال کی جو تاویل کرتے ہیں وہ بھی اسی بناء پر کہ ان کا اتباع سنت اور تقویٰ و تدین اور شریعت کی پابندی مشہور ومعروف ہے، یہاں تک کہ اغیار بھی اس کو مانتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆
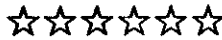
......اتباع سنت......

اللہ جل شانہ کا پاک ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰه.

(اے محمد (ﷺ) اپنی اُمت سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں محبوب بنا لے گے)''۔

دُرِ منثور میں کثرت سے روایات ذکر کی گئی ہیں کہ بہت سے لوگوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے محبت ہے، اس پر آیت نازل ہوئی۔ اللہ جل شانہٗ نے حضورِ اقدس ﷺ کے اتباع کو اپنی محبت کیلئے علامت قرار دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ''تم میں سے کسی کا ایمان اُس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اُس کی خواہشات اُس کے تابع نہ بن جائیں جو میں لے کر آیا ہوں۔''

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اسی آیت کی تفسیر میں حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ میری اتباع کرو نیک کاموں میں، تقویٰ میں، تواضع میں اور اپنے نفس کو ذلیل سمجھنے میں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی علامت اتباع سنت ہے۔

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نہ پاؤں کسی کو اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے، اُس کے پاس میرے اوامر میں سے کوئی امر آئے یا نواہی میں سے کوئی نہی آئے اور وہ کہے کہ ہم نہیں جانتے، جو قرآن میں ہمیں ملے گا اُسی پر عمل کریں گے۔''

مشکوٰۃ میں مقدام ابن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھے قرآن دیا گیا ہے اور قرآن ہی کے برابر دوسری چیزیں (یعنی سنت) قریب ہے کہ کوئی آدمی پیٹ بھرا اپنی مسند پر ٹیک لگائے ہوئے یہ کہے کہ تم لوگ صرف قرآن ہی کو لو، جو اس میں حلال پاؤ اس کو حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اُس کو حرام سمجھو۔'' حالانکہ جو رُسول اللہ ﷺ نے حرام فرمایا ہے وہ ویسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے (یعنی جس چیز کی حرمت یا حلت حدیث سے ثابت ہو وہ ایسے ہی ہے جیسے قرآن سے ثابت ہو) حضور اقدس ﷺ نے ''پیٹ بھرا'' کا لفظ اس وجہ سے ارشاد فرمایا کہ اس قسم کی خرافات جب ہی سوجھتی ہیں جب لذائذ میں آدمی ہو۔ فقر و فاقہ اور تنگ دستی میں یہ حماقتیں نہیں سوجھتیں۔ دوسری حدیثِ پاک میں عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون نقل کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ''تم میں سے کوئی شخص اپنے گاؤ تکیہ پر کمر لگائے یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز بجز اس کے جو قرآن پاک میں ہے حرام نہیں کی۔ خبردار! خدا کی قسم، میں نے بھی کچھ چیزوں کا حکم دیا ہے اور نصیحت کی ہے اور بہت سی چیزوں سے روکا ہے۔ وہ بھی قرآن کے مقدار میں ہے، بلکہ زیادہ ہی ہے۔''

اس حدیث میں ''گاؤ تکیہ پر کمر لگانے'' کا مطلب وہی ہے جو پہلی میں ''پیٹ بھرے'' کا تھا کہ ایسی حماقتیں ثروت ہی میں سوجھتی ہیں۔ ان

صفات کے ذکر کرنے سے مطلب یہ ہے کہ یہ لغویات جب ہی سوجھتی ہیں جب تنعّم بہت بڑھ گیا ہو جیسا، کہ متکبرین و متجبرین کی عادت ہے جن کا دین کے معاملات میں اہتمام بہت کم ہوتا ہے۔ اپنے گھر میں تنعّم میں پڑے رہتے ہیں، علم کے سیکھنے سکھانے سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔

حضرت عرباضؓ ہی سے ایک اور حدیث نقل کی ہے کہ حضورِ اقدس ﷺ نے ایک دفعہ نماز پڑھائی، پھر ہماری طرف متوجہ ہو کر بڑا بلیغ وعظ فرمایا کہ جس سے آنکھیں بہہ پڑیں، قلوب دہل گئے۔ ایک آدمی نے کہ کہ ''یا رُسول اللہ ﷺ! یہ تو جیسے رُخصتی وعظ ہو، لہٰذا کوئی نصیحت ہمیں فرمایئے''۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میری سنت اور خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو اور دین میں نئی باتوں سے بچو، کیونکہ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔

حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو زندہ کیا جو میرے بعد چھوڑ دی گئی تھی تو اُس کو اتنا اَجر ملے گا جتنا عمل کرنے والوں کو ملے گا اور اُن کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ اور جو کوئی دین میں نئی چیز پیدا کرے جو اللہ اور اُس کے رُسول ﷺ کو ناپسند ہے تو اُس کو عمل کرنیوالوں کے برابر گناہ ملے گا اور اُن کے گناہوں میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اُمت گمراہی پر اکٹھی نہیں ہوسکتی اور اللہ تعالیٰ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے، جو جماعت سے نکلے گا جہنم میں جائے گا۔ حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد ہے کہ جس نے میری سنت سے محبت کی اُس نے گویا مجھ سے محبت کی۔ اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضور اقدس ﷺ کا پاک ارشاد نقل کیا

ہے کہ جوکوئی میری سنت پر عمل کرے میری اُمت کے فساد کے وقت تو اُس کو سو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ نیز ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

موطاء امام مالکؒ میں حدیث مرسل نقل کی گئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، جب تک ان کو مضبوط پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ اور سنت۔

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''جو کسی بدعتی کی تعظیم کرے تو اُس نے گویا اسلام کے منہدم کرنے پر اعانت کی۔'' یہ چند احادیث مشکوٰۃ شریف سے اتباعِ سنت کے اہتمام میں نقل کی ہیں۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ہمارے اکابر فرمایا کرتے تھے کہ سنت کو پختہ پکڑنا نجات ہے۔ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ سنت مثل کشتی نوح علیہ السلام کے ہے، جو اس میں بیٹھ گیا وہ بچ گیا اور جو اس سے پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔ (العبودیہ ص ۷۴)

اصل چیز اتباع سنت ہے۔ اور جس کو پرکھنا ہو اسی معیار پر کھا جائیگا جو شخص اتباعِ سنت کا جتنا زیادہ اہتمام کرے گا اُتنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ومقرب ہوگا، روشن دماغی چاہے اُس کے پاس کو بھی نہ آئی ہو۔ اور جو شخص اتباع سنت سے جتنا دُور ہے اللہ تعالیٰ سے بھی اُتنا دُور ہے چاہے وہ مفکر اسلام مفکر دُنیا، مفکر سمٰوات بن جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فتاویٰ (ص ۲۱۰/۱۱) میں فرمایا ہے کہ اولیاء اللہ کیلئے ضروری ہے کہ وہ کتابُ اللہ اور سنت کو مضبوطی سے پکڑیں، ان میں سے کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ جو اُس کے دل میں آئے اُس پر بغیر کتاب وسنت کی

موافقت کے عمل کرے۔ اور یہ قاعدۂ کلیہ جس پر جملہ اولیاء اللہ متفق ہیں، جو اس کے خلاف کرے وہ اولیاء اللہ میں سے نہیں ہوگا، بلکہ یا تو کافر ہوگا یا جاہل، اور یہ بات مشائخ کے کلام میں کثرت سے پائی جاتی ہے۔ چنانچہ شیخ ابوسلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ میرے قلب میں بعض صوفیانہ رموز وارد ہوتے ہیں مگر میں انہیں بغیر دو گواہ (کتاب و سنت) کے قبول نہیں کرتا۔ اور حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارا یہ علم (تصوف) قرآن اور سنت کے ساتھ مربوط ہے، جس نے قرآن وحدیث نہ پڑھا ہو اُس کے لئے جائز نہیں کہ ہمارے علوم میں کلام کرے۔ حضرت ابوعثمان نیساپوری فرماتے ہیں کہ جس نے سنت کو اپنے قول وفعل میں حاکم بنالیا اس کا کلام حکمت ہوگا اور جس نے خواہشات نفس کو حاکم بنایا وہ بدعت میں مبتلا ہوگا۔ اس لئے کہ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے:

وَ اِنْ تُطِیْعُوْہُ تَھْتَدُوْا

(یعنی رسول ﷺ کا اتباع کروگے تو ہدایت پاؤگے)

اور ابن نجید فرماتے ہیں "ہر وہ حال جس پر کتاب وسنت کی شہادت نہ ہو وہ باطل ہے۔" دوسری جگہ (ص ۵۸۵/۱۱) میں فرماتے ہیں کہ حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ عمل جب تک خالص اور صواب نہ ہو قابل قبول نہیں۔ خالص کا تو مطلب یہ ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور صواب کا مطلب یہ ہے کہ سنت کے موافق ہو۔ حضرت ابوسلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ جس کے دل میں کوئی خیر کی بات آئے اُسے اُس وقت تک اُس پر عمل نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ اُس کیلئے کوئی اثر نہ مل جائے۔ اس سلسلہ میں جب کوئی اثر سن لے تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ حضرت سہل تستریؒ کا ارشاد ہے کہ "ہر وہ عمل جو بدعت پر ہوگا وہ نفس پر عذاب ہے۔ اور جو عمل اکابر کی اقتداء کے بغیر ہوگا وہ نفس کا دھوکہ

ہے''۔

اس بارے میں بہت کثرت سے اقوال شیخ الاسلامؒ نے بھی نقل کئے ہیں اور دوسرے حضرات نے بھی کہ جو عمل اتباعِ سنت کے بغیر ہوگا وہ گمراہی ہے۔

اب ذرا ہٹ دھرمی اور عناد سے ہٹ کر اکابر دیو بند کا اہتمام سنت پر بھی ایک نظر ڈال لیجئے کہ اتباعِ سنت کا اہتمام اس گروہ میں کتنا رہا۔ اس کے واقعات تو اکابر کی سوانحوں میں لاتعد ولاتحصی ملیں گے، ان کا احصاء تو اس رسالہ میں بہت مشکل ہے، بلکہ ضخیم کتابوں میں بھی مشکل ہے۔ مسجد سے نکلتے وقت بایاں پاؤں نکالنا سنت ہے، اور داہنے پاؤں میں پہلے جوتا پہننا سنت ہے۔

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے معمولات میں سینکڑوں جگہ لکھا ہے اور میرا خود بھی مشاہدہ ہے کہ حضرت قدس سرہ جب مسجد سے نکلتے تو پہلے تو بایاں پاؤں نکال کر جوتے یا کھڑاؤں پر رکھتے، پھر دایاں پاؤں نکال کر پہلے اُس میں جوتا یا کھڑاؤں پہنتے پھر بائیں پاؤں میں جو پہلے سے جوتے پر رکھا ہوتا پہنتے۔ ایک شخص آئے، قصہ تو لمبا ہے، حضرت قدس سرہٗ اُس وقت استنجاء گئے ہوئے تھے۔ حضرت کے آنے پر کہا جناب آداب! حضرت نے غصہ میں فرمایا یہ کون بے ادب ہے جس کو شریعت کا ایک ادب بھی معلوم نہیں۔ ایک مرتبہ ایک صاحب آئے اور بولے حضرت سلامت! آپ کے چہرہ پر غصہ کا اثر ظاہر ہو گیا اور فرمایا مسلمانوں والا اسلام چاہئے یہ کون ہے حضرت سلامت والا (تذکرہ الرشید ص

(۲/۴۹

حضرت کے وصیت نامہ میں زور سے لکھا ہے۔

''اپنی زوجہ، اپنی اولاد اور سب دوستوں کو بتاکید وصیت کرتا ہوں کہ اتباعِ سنت کو بہت ضروری جان کر شرع کے موافق عمل کریں۔ تھوڑی مخالفت کو بہت سخت دشمن اپنا جانیں''۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کا معمول تھا کہ وتروں کے بعد بیٹھ کر دو۲ رکعت پڑھتے تھے۔ کسی شاگرد نے عرض کیا حضرت بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب تو آدھا ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا ہاں بھائی یہ تو مجھے بھی معلوم ہے، مگر بیٹھ کر پڑھنا حضورِ اقدس ﷺ سے ثابت ہے۔

حیات شیخ الہند صفحہ ۱۶۱ میں لکھا ہے کہ کوئی قول و فعل خلافِ شریعت ہونا تو درکنار، مدتوں خدمت میں رہنے والے خادم بھی یہ نہیں بتلا سکتے کہ کوئی ادنیٰ سا فعل بھی آپ سے خلافِ سنت سرزد ہوا۔ دن ہو یا رات، صحت ہو یا مرض، سفر یا حضر، خلوت ہو یا جلوت، ہر حالت میں حضرت کو اتباع سنت کا خیال تھا۔ خود بھی عمل کرتے اور اپنے متبعین متوسلین کو بھی قولاً و عملاً اسی کی ترغیب دیتے اور رفتہ رفتہ عمل بالسنۃ حضرت کیلئے ایک امرِ طبعی ہوگیا تھا جس میں کسی تکلف و تحریک کی ضرورت ہی نہ تھی نہایت سہولت و متانت سے سنن و مستحبات کو ملحوظ رکھتے تھے۔ مگر یہ نہیں کہ ہر وقت ہر ہر فعل پر حاضرین کے جتلانے یا اُن سے داد لینے کیلئے حدیث پڑھ کر سنائیں یا عمل کریں۔ نیا پھل کسی نے پیش کیا تو خوشبو سونگھی، آنکھوں سے لگایا پھر کسی بچہ کو پکارا اور اُس کو دیدیا۔ اور کبھی کبھی یہ

دیکھنے کے حیلہ سے کہ بارش ختم ہوگئی یا نہیں دو چار قطرے سر اور جسم پر لیکر حدیث عہد بربی کا لطف اُٹھالیا۔

ایک روز احقر (مولانا میاں اصغر حسین صاحب) کی عیادت کو تشریف لائے اور صرف مصافحہ کر کے واپس ہونے لگے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو بھی آج ہی حدیث پر عمل کرنا تھا۔ تبسم فرما کر فوراً پڑھ دیا۔ "العیادة فواق ناقة" اسی میں صفحہ ۱۱۸ پر لکھا ہے کہ مالٹا کی حراست کے زمانہ میں اگرچہ مسافر پر قربانی نہیں اور قیدی پر تو ذبح کرنیکی بھی اجازت نہیں تھی مگر حضرت کا معمول ہندوستان میں کئی کئی قربانیاں کرنے کا تھا، یہ جذبہ حضرت کو پیش آیا اور محافظانِ جیل کو اطلاع کی کہ ہمیں قربانی کی اجازت دی جائے اور جانور مہیا کیا جائے۔ دل کی نکلی ہوئی بات اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔ محافظوں پر اثر ہوا اور ایک دنبہ سات ۷ گنی میں خرید کر دیا جس کی قیمت حضرت نے بہت طیب خاطر سے ادا کی اور اس دار الکفر میں جہاں زوالِ سلطنت اسلامیہ کے بعد کبھی اس سنت ابراہیمیؑ کے ادا ہونے کی نوبت نہ آئی ہوگی دسویں ذی الحجہ کو بلند آواز سے تکبیر کہہ کر قربانی کر کے واضح کر دیا کہ علو ہمت ہو تو زنداں میں مستحبات بھی ادا ہو سکتے ہیں۔ حدیثِ پاک میں سرکہ کے متعلق آیا ہے کہ بہترین سالن ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں جب بھی دسترخوان پر سرکہ ہوتا تو سب چیزوں سے زیادہ اُس کی طرف رغبت فرماتے، اور کبھی گھونٹ بھی بھر لیتے۔ ایک مرتبہ بدن پر پھنسیاں وغیرہ نکل آئیں اطباء نے سرکہ کو منع کر دیا، پھر بھی حضرت سرکہ نوش فرما ہی لیتے۔ حضرتؒ نے اپنی چاروں صاحبزادیوں کی شادی اپنے اُستاد حضرت نانوتویؒ کے طرز پر ایسی ہی سادگی اور اتباعِ سنت سے کی جو حضرت جیسے محدثِ اعظم اور عاشقِ سنت کے شایانِ شان تھی۔ کبھی جامع مسجد میں نماز

کے بعد اعلان کر کے داماد کو بٹھا کر نکاح پڑھ دیا، کبھی مدرسہ میں علماء اور طلباء کے مجمع میں بطریق مسنونہ عقد کر دیا اور معمولی کپڑے پہنا کر معمولی ڈولی میں بٹھا کر رخصت کر دیا۔ (حیات شیخ الہند ص ۲۰۵)

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نورّ اللہ مرقدہٗ کے اتباع سنت کے واقعات اس قدر مشہور اور زباں زد ہیں کہ ان سب کا لکھوانا تو بہت مشکل ہے اور اس کے دیکھنے والے ابھی تک بہت موجود ہیں۔ اس ناکارہ نے اپنے اکابر میں اخیر شب میں رات کو گڑگڑاتے ہوئے رونے والا دو ۲ کو دیکھا۔ ایک اپنے والد صاحبؒ کو اور دوسرے حضرت شیخ الاسلامؒ کو۔ ایسی ہچکیاں اور سسکیاں لیتے تھے جیسے کوئی بچہ پٹ رہا ہو۔ قاری محمد میاں صاحب مدرّس مدرسہ فتح پوری دہلی لکھتے ہیں کہ:

> ''تہجد میں اوّل دو رکعتیں مختصر پڑھتے اور اس کے بعد دو رکعتیں طویل، جن میں ڈیڑھ دو پارے قرأت فرماتے۔ تہجد کی قرأت قدرے جہر سے ادا فرماتے پاس بیٹھا ہوا آدمی غور سے سنے تو پوری قرأت سن سکے۔ قرأت کرتے وقت اس قدر خشوع اتنا گریہ، سینۂ مبارک سے ایسے کھولتے ہوئے گرم سانس، جناب رسول اللہ ﷺ کی نماز کی کیفیت احادیث میں ذکر کی گئی ہے۔ ''کان یصلّی ولجوف ازیز کازیز المرجل من البکآء۔'' (آپ ﷺ نماز ایسی پڑھا کرتے تھے کہ آپ ﷺ کے اندرون سے رونے

کی وجہ سے ہانڈی کے جوش مارنے کی آواز کی طرح سے
آواز آتی تھی) وہ منظر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور
کانوں سے سنا۔ تہجد کی نماز سے فارغ ہوکر پہلے دُعا مانگتے
پھر مصلے پر استغفار کرنے کے لئے بیٹھ جاتے۔ تسبیح ہاتھ
میں ہوتی، جیب میں سے رومال نکال کر آگے رکھ لیتے،
اُگالدان قریب رکھ لیا کرتے، اُس وقت رونے کا جو منظر
بارہا دیکھنے میں آیا ہے وہ کسی اور وقت نہیں آیا۔ آنکھوں
سے آنسوؤں کی لڑیاں مسلسل جاری رومال سے صاف
کرتے جاتے اور **استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو
الحیّ القیّوم و اتوب الیہ** جھوم جھوم کر پڑھتے جاتے
کبھی کبھی اور بھی کلمات پڑھتے۔ بعض اوقات اسی کرب و
بے چینی کے عالم میں فارسی یا اردو کا کوئی شعر بھی پڑھا
کرتے۔ فجر کی نماز تک یہی معمول رہتا۔"

(الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۸۰)

اس ناکارہ زکریا نے یورپی ہندی کے دوہے اُس وقت میں بہت سُنے
مفتی مہدی حسن صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

"عبادتِ خداوندی کا یہ ذوق کہ شدید مرض کی حالت میں
بھی نمازِ فجر میں طوالِ مفصل ہی پڑھا کرتے تھے، سنت کی
شیدائیت اتنے کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ جن اُمور کو ادنیٰ تعلق
بھی رسول اللہ ﷺ سے ہو اُن پر عمل کرتے تھے۔ دُنیا کو
حیرت ہوگی کہ دارالعلوم کے چمن میں کیکر کا درخت لگوایا۔

لوگوں کو خیال ہوا کہ اس درخت سے کیا فائدہ؟ نہ اس میں
پھول نہ پھل، نہ اس سے خوشنمائی نہ یہ زینتِ چمن، پھر
کیوں لگوایا؟ تحقیق سے پتہ چلا کہ آنحضرت ﷺ نے کیکر
کے درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہؓ سے بیعت لی تھی جو "بیعتِ
رضوان" کے نام سے زباں زدِ خاص و عام ہے، یہ درخت
اس کی یادگار ہے۔" (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۶۲)

بذل کی تحریر کے وقت جب نظائر والی حدیث ابوداوٗد میں آئی جس کی ترتیب مصحف عثمانی کے خلاف ہے تو میرے حضرت قدس سرہ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اس حدیث کو ایک پرچہ پر نقل کر دو اور مجھے دے دو آج تہجد اسی سے پڑھیں گے۔ یہ حضرات سنت کے شوق میں ثواب کی کمی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ میرے والد صاحبؒ کا مشہور مقولہ تھا کہ سنت کے موافق پاخانہ میں جانا خلافِ سنت نقلیں پڑھنے سے افضل ہے۔

حضرت میرٹھیؒ تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۶۲ میں لکھتے ہیں کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کا اتباع سنت میں وہ ثبات قدم جس کو استقامت کہتے ہیں ایسا واضح اور عالم آشکارا ہے کہ محتاج دلیل بنانا بے ادبی کے علاوہ گویا سُورج کو چراغ دکھانا ہے۔ سنت کے ساتھ محبت رکھنے والے دنیا میں اور بھی ہیں مگر اصل جتہ القلب اور سودائے دل میں اس محبت کا وہ رسوخ بہت ہی کم نظر آئے گا جس کو محویت اور فنائیت کہہ سکیں اور جس کا جسم پر یہ ثمرہ ظاہر ہو کہ کبھی بھول کر بھی بلاقصد امر خلافِ شرع صدور نہ ہو۔ مولوی حکیم محمد اسماعیل صاحبؒ گنگوہی اجمیری نے ایک قصیدہ آپ کی مدح میں لکھا اور چونکہ موردِ عنایات ہونے کی وجہ سے بے تکلف زیادہ تھے اس لئے ہر چند حضرت نے سُننے سے تنفر فرمایا مگر

اُنہوں نے باصرار سُنایا، جب ختم کر چکے تو آپ جھکے اور زمین سے خاک اُٹھا کر اُن پر ڈالدی۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کپڑے خراب ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ منہ پر مدح کرنے والے کی یہی جزاء ہے میں کیا کروں جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سہارنپوریؒ نور اللہ مرقدہٗ کے حالات تذکرۃ الخلیل میں لکھا ہے کہ منیٰ کے قیام میں کھچا کھچ اسباب کے گرد برابر برابر شغدف لگے ہوئے تھے کہ قبیل صبح صادق مطوف آیا اور شور مچایا کہ تیار ہو جاؤ عرفات کے لئے۔ دیکھتا ہوں تو حضرت دو شغدفوں کے بیچ میں گل نما جو تنگ جگہ چھٹتی ہے اُس میں کھڑے ہوئے اپنے مولیٰ کے ساتھ راز و نیاز میں مشغول ہیں اور پارہ ہائے قرآن مجید کی تلاوت فرمارہے ہیں۔ مطوف اور جمالین نے بہت کچھ شور مچایا مگر حضرت کے طویل قیام میں ایک آیت کا بھی فرق نہ آیا۔ تلاوتِ قرآن جس سکون کو چاہتی ہے اُس کا حق ادا فرما کر جب آپ نے سلام پھیرا تو اللہ کے شیر پر غصہ کے آثار نمودار تھے اور تند و تیز لہجہ میں آپ نے مطوف سے کہا۔ تم بھول گئے ہم نے تم سے وعدہ کیا تھا کہ سنت کے خلاف ہم ہرگز نہ کریں گے اور تم نے اقرار کیا تھا کہ جس طرح کہو گے اُسی طرح کروں گا۔ پھر قبل طلوع آفتاب لے چلنے پر ہم سے کہنے کا تم کو کیا حق ہے کہ فضول پریشان کررہے ہو؟ مطوف نے کہا میں کیا کروں جمال نہیں مانتے، جن پر کسی کا زور نہیں اور یہ اُونٹ لے کر چلدیئے تو حج فوت ہو جائیگا سنت کی خاطر فرض کو خطرہ میں ڈالنا تو اچھا نہیں۔ اس جواب پر حضرت کا غصہ تیز ہوگیا۔ بھرائی ہوئی آواز میں فرمایا ہم

نے تم کو مطوّف قرار دیا ہے اُستاد اور پیر قرار نہیں دیا ہے کہ علمی مشورہ لیں، جاؤ اپنا کام کرو، ہم شروقِ آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی نہیں اُٹھیں گے۔ ہمارا مال خرچ اور صعوبت برداشت کر کے آنا حج کو بطریق سنت ادا کرنے کے شوق میں ہوتا ہے نہ کہ تمہارے اور جمالوں کے غلام بننے کے لئے۔ جمالوں کو اپنے اُونٹوں کا اختیار ہے۔ اُن کا جی چاہے وہ اُن کو لے جاویں باقی ہم پر اُن کو کوئی اختیار نہیں کہ اُٹھنے پر مجبور کریں، تم نے ناوقت شور مچا کر ہم کو پریشان کر دیا اور نماز تک نہیں پڑھنے دی۔ اس لئے ہم تم کو بھی آزاد کرتے ہیں، اپنے دوسرے حاجیوں کو سنبھالو ہم کو ہمارے حال پر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ہم لُولے لنجے نہیں ہیں، اور نہ عرفات کچھ زیادہ دور ہے، اُونٹ چلے جائیں گے تو پیدل بھی ہم انشاء اللہ پہنچ جائیں گے، مگر تم یہ چاہو کہ سنت چھوڑ کر تمہارا کہنا مانیں سو اس کی ہرگز ہم سے توقع مت رکھو۔

ایک مرتبہ آپ کے ایک مرید نے ضلع رہتک کے ایک عالم کی صفائی کرتے ہوئے یُوں کہا کہ حضرت! وہ تو حضور کے رشتہ دار ہیں اور بالکل ہمارے ہم خیال ہیں، صرف بعض عقائد میں کچھ یوں ہی جزوی سا اختلاف ہے جیسا باہم آئمہ ہیں.......... وہ صاحب اپنی تقریر ختم نہ کر پائے تھے کہ آپ کے چہرے پر ناگواری کے آثار پیدا ہوگئے اور آپ نے تعجب کے ساتھ فرمایا کہ ہائیں! عقائد میں اور اختلاف؟ یہ تو جزوی ہونا خود ہی آپ کو تسلیم ہے۔ میرا تجربہ تو یہ ہے کہ عقائد میں جُزتو جُزا اگر بالکل بھی اختلاف نہ ہو مگر شک اور شبہ کا درجہ ہو تو وہ بھی برباد اور گمراہ ہوئے بغیر نہیں بچتا، پھر اُس کو آئمہ کے اختلاف سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی دلیری کی بات ہے۔ پس چاہے عمل میں کتنی ہی کمزوری ہو مگر خدا نہ کرے کہ کوئی مسلمان بدعت کو سنت سمجھے یا سنت کے سنت ہونے

میں شک لائے کہ یہ بلائے بے درماں، مہلک اور سم قاتل ہے۔

(تذکرۃ الخلیل ص ۲۵۵)

مسواک سفر میں بھی آپ کے کرتہ کی جیب یا تکیہ کے غلاف میں رہتی تھی۔ اور کوئی وضو آپ کا مسواک کے بغیر نہ ہوتا تھا۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ "ارواح ثلثہ" میں لکھا ہے کہ اکبری مسجد میں پہلی صف میں ایک پتھر بیٹھ گیا تھا جس کی وجہ سے وہاں گارہ ہو جاتا تھا اور لوگ اس کی وجہ سے اس جگہ کو چھوڑ کر دوسری صَف میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ حضرت مولانا شہیدؒ تشریف لائے اور وہ زمانہ اُن کے بہت عمدہ کپڑا پہننے کا تھا، مگر وہ آ کر صف اوّل میں اُسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں کیچڑ تھی۔ یہ اتباع سنت کے شوق کے سوا کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت سیّد احمد شہید رحمۃُ اللہ علیہ جن سے بیعت لیتے تھے اُن کو اتباع سنت کی بہت تاکید کرتے تھے۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ سے ایک دفعہ کہا کہ اگر کوئی امر خلافِ سنت مجھ سے ہوتا دیکھو تو مجھے اطلاع کر دینا۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے کہا جب کوئی مخالفِ سنت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا تو عبدالحی آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں، یعنی ہمراہی چھوڑ دے گا۔ اھ

مولانا عبدالحی صاحبؒ کے اتباعِ سنت کی نگرانی کا یہ عالم تھا کہ اپنے شیخ کو بھی خلافِ سنت پر ٹوک دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت سیّد صاحبؒ کی نئی شادی ہوئی تھی، نماز میں اپنے معمول سے کچھ دیر سے تشریف لائے۔ پہلے دن تو مولانا عبدالحی صاحب نے سکوت کیا، دوسرے دن بھی دیر ہوئی کہ تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی۔ مولانا عبدالحی صاحبؒ نے سلام پھیر کر فرمایا کہ "عبادتِ الٰہی ہو گی یا شادی کی عشرت؟" سیّد صاحبؒ نے اپنی غلطی کا اعتراف فرمالیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

میرے دادا مولانا اسمٰعیل صاحبؒ مقیم نظام الدین کے متعلق امیر شاہ خاں لکھتے ہیں کہ: جب بھی اُن سے ملاقات ہوتی تھی تو وہ یہ ضرور فرمایا کرتے تھے کہ "حدیث میں آیا ہے جب کسی کو کسی سے محبت ہو تو اُسے چاہئے کہ اُس کو اطلاع کر دے اس لئے میں بہ تعمیل ارشادِ نبویؐ تم سے کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔" یہ اُن کا ہر ملاقات میں معمول رہا اور کبھی تخلف نہیں ہوا۔ اس پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ جوش ہے اتباعِ سنت کا جو مقتضی ہوتا تھا تکرار کو ورنہ ایک بار اطلاع کر دینا بھی کافی تھا۔ میرے دادا صاحبؒ کا ایک اور واقعہ ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ سے تخلیہ میں یوں کہا کہ میں بیعت ہوں مولانا محمد یعقوب صاحب دہلوی سے ، اور مولانا مظفر حسین صاحبؒ سے تعلیم حاصل کی، ان حضرات کی تعلیم نقشبندی تھی، ان کی تعلیم پر عمل کرنے سے میر لطائف ستہ آٹھ دن میں ایسے پھرنے لگے جیسے پھرکی پھرتی ہے۔ لیکن مجھے ابتداء سے اتباعِ سنت کا شوق تھا، اور جو اوراد احادیث میں وارد ہوئے، جیسے پاخانہ میں جاتے وقت یہ دعاء پڑھے اور نکلتے وقت یہ، اور بازار جاتے وقت یہ۔ میں ان کا بہت اہتمام کرتا ہوں، اس لئے مجھے اعمالِ مشائخ سے بہت کم دلچسپی تھی۔ کبھی دس ۱۰ دن میں کبھی پندرہ دن میں مراقبہ وغیرہ کر لیا کرتا تھا۔ یہ میری حالت ہے اور اب میری ضعیفی کا وقت ہے، میں چاہتا ہوں کہ جناب مجھے کچھ تعلیم فرما دیں۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو اعمال آپ کرتے ہیں اُن میں آپ کو مرتبہ احسان حاصل ہے، مزید تعلیم کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرتبہ احسان حاصل ہونے کے بعد اشغالِ صوفیہ میں

مشغول ہونا ایسا ہی ہے جیسے کوئی گلستاں بوستاں پڑھ لینے کے بعد کریما شروع کردے۔ اس لئے آپ کے لئے اعمالِ مشائخ میں اشتغال تضییع اوقات اور معصیت ہے۔ از زکریا عفی عنہ، میں نے اکابر سے اس قصہ میں بجائے گلستاں بوستاں کے یہ سُنا تھا کہ "کوئی شخص قرآن پڑھنے کے بعد کہے کہ میں نے قاعدہ بغدادی نہیں پڑھا ہے، پڑھا دیجئے۔"

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا تو مشہور قصہ غدر کے زمانہ کا ہے کہ جب ان حضرات کے نام وارنٹ کٹے ہوئے تھے اور سب کے اصرار سے حضرت نانوتوی کو ایک گھر میں چھپا دیا تھا تو تیسرے دن زبردستی گھر سے باہر نکل آئے اور ارشاد فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا غارِ ثور میں تین دن ہی پوشیدہ رہنا ثابت ہے۔ حضرت نانوتویؒ کا مقولہ سوانح قاسمی صفحہ ۲۰۵/۱ میں نقل کیا گیا ہے، فرمایا کرتے تھے کہ درزی کو نمونہ کا کوئی کپڑا مثلاً قمیض، اچکن دیدیا جاتا ہے، اور حکم دیا جاتا ہے کہ اسی نمونہ پر کپڑے سیتے چلے جاؤ۔ خراش، تراش، سلائی وغیرہ کے اعتبار سے جس حد تک اس نمونہ کے مطابق کپڑوں کے سینے میں درزی کامیاب ہوگا اُسی حد تک سلانے والے سے مزدور انعام کا مستحق ہوگا۔ اس تمثیل کو پیش کر کے ارشاد فرماتے کہ اُسوۂ حسنہ محمدیہ قدرت کا بخشا ہوا نمونہ ہے، ساری انسانیت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ اپنے آپ کو رنگ میں ڈھنگ میں، چال میں، چلن میں، فکر میں، نظر میں اسی نمونہ کے مطابق ڈھالتے چلے جائیں، جو جس حد تک اس نمونہ کے مطابق ہوگا اُس کو اُسی حد تک اپنے محبوب کی محبوبیت سے حصہ عطا کیا جائے گا۔ اھ

سوانح قاسمی صفحہ ۴۸۸ جلد ا میں لکھا ہے کہ حضرت جب سفر سے نانوتہ تشریف لاتے تو دستور تھا کہ گھر سے پہلے کچھ دیر کے لئے مسجد میں قیام فرماتے، نفل ادا کرتے اور جب قصبہ والوں کو آپ کے آنے کی خبر پہنچتی تو سب مسجد کی طرف دوڑ جاتے۔ معترضین آویں اور اتباع سنت میں اکابرین دیوبند کا مقابلہ کر کے دکھاویں۔ چلنے میں، بیٹھنے میں، اُٹھنے میں، خورد ونوش میں بہت مشکل سے ان کی نظیر ملے گی۔

اس کے بعد سنو، اسلام کی بناء چار ارکان پر ہے جن کو عبادات کہا جاتا ہے۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، سینکڑوں احادیث میں ان کو اسلام کی بناء بتایا گیا ہے محدثین، فقہاء، حضور اقدس ﷺ کے زمانہ سے لیکر عبادات ان ہی کو کہتے ہیں اور سُنتے چلے آئے ہیں، بلکہ حضورِ اقدس ﷺ کے ارشادات میں بھی ان ہی چیزوں کو عبادت کہا گیا ہے۔ مگر اب بعض مفکرین کہتے ہیں کہ یہ تو اصل عبادت کے لئے ٹریننگ کورس ہے، بلکہ ان عبادتوں کا مقصد بڑی عبادتوں کے لئے تیار کرنا ہے۔ گویا عبادت کا مطلب اُمت میں سے کوئی نہیں سمجھا بلکہ خود سیّد الکونین ﷺ بھی نعوذ باللہ نہیں سمجھے۔

حضرت جبریل علیہ السّلام تعلیمِ دین کے لئے تشریف لاتے ہیں اور حضورِ اقدس ﷺ سے اسلام کی حقیقت دریافت کرتے ہیں اور حضور ﷺ کلمہ کی شہادت اور یہی ارکانِ اربعہ صرف بتاتے ہیں۔ حضرت جبریلؑ اس کی تصدیق فرماتے ہیں۔ مگر نہ تو جبریلؑ کو پتہ چلا کہ یہ سب چیزیں غیر مقصود ہیں اور نہ حضور اقدس ﷺ کو پتہ چلا۔ سینکڑوں جگہ حدیثوں میں اسلام کی بناء انہی چار چیزوں پر ذکر کی گئی ہے۔ مگر کسی حدیث میں مجھے تو ملا نہیں کہ اصل عبادت کچھ اور ہے اور یہ عبادات اس کے لئے ٹریننگ کورس ہیں۔

ایک بدو حضور ﷺ سے سوال کرتا ہے کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جس کے کرنے سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں۔ حضور اقدس ﷺ یہ عبادات ہی اُس کو بتاتے ہیں۔ وہ عرض کرتا ہے یا رُسول اللہ ﷺ ! خدا کی قسم نہ اس پر زیادتی کروں گا نہ کمی۔ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی جنتی دیکھنا ہو وہ اس کو دیکھ لے۔

قرآن و حدیث سے جو کچھ ہم نے سمجھا اور جو کچھ سلف صالحین سے ہم تک پہنچا وہ یہ ہے کہ جن کو اسلام کے ارکان اور مدارِ نجات بتایا گیا ہے وہی اصل عبادات ہیں، دوسری چیزیں ان کی تحصیل اور تکمیل کے لئے اختیار کی جاتی ہیں جو ان کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے عبادات کہلائی جاتی ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سے اعمال کو نیکی قرار دیا گیا ہے اور ان پر اَجر کا وعدہ بھی فرمایا ہے۔ اور اس اجر کی وجہ سے ان کو مجازاً عبادت بھی فرمادیا ہے۔ لیکن عصرِ حاضر کے بعض مفکرین نے اصل عبادات کو اُن کے مرتبہ سے گرا کر قرآن و حدیث کے منشاء کے خلاف دوسرے بعض اعمال کو حقیقی عبادات کا درجہ دے دیا، جو ان کی بڑی سخت گمراہی ہے۔ اور اسکے نتائج ان مفکرین کے متبعین و مقلدین کے تحریری وتقریری بیانات سے عجیب وغریب دینی تحریفات کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں، جن سے ان لوگوں کے دین میں سخت خلل ہو رہا ہے۔ اور علوم دینیہ سے ناواقف بے چارے ان کی تحریروں سے متاثر ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر دینی تحریف سے پوری اُمت کو محفوظ و مامون رکھے اور دین کو اسی نہج پر سمجھنے اور اپنانے کی توفیق عطاء فرمائے جس نہج کو لیکر حضور اقدس ﷺ اللہ کی طرف سے مبعوث ہوئے اور آپ کے اوّلین مخاطبین جاں نثار اور فرمانبردار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے آپ ﷺ سے سمجھا، پھر جوں کا توں الفاظ و معانی کا

آگے بڑھایا اور اسی طرح خلفا عن سلف ہم تک پہنچتا آ رہا ہے اور قیامت تک انشاء اللہ اہلِ حق میں اسی طرح بحفاظت تامہ و اعتناء کامل منتقل ہوتا رہے گا۔

واللہ غالب علی امرہ ولکنّ اکثر الناس لا یعلمونo

دراصل یہ سارے فسادات علم کو پڑھے بغیر ذہانت سے کتابیں دیکھنے سے ہوتے ہیں۔

بچپن میں ایک قصّہ سنا تھا کہ ایک نہایت ذکی آدمی نے کہا کہ پڑھنے کے واسطے استادوں کی کیا ضرورت ہے، خواہ مخواہ ان کی خوشامد کرنی پڑے۔ کتابیں موجود ہیں، ترتیب وار دیکھ سکتے ہیں، فارسی سے ابتداء، کی اور جب شیخ سعدیؒ کے اس شعر کو دیکھنا شروع کیا۔

سعدی کہ گوئے بلاغت ربود در ایام بوبکر بن سعد بود

تو سعدی تو سعدی تھے ہی اور گوئے کے معنی گیند کے پہلے سے یاد تھے، اور سعدی کا بلا کی گیند لیجانا ایک لطیف معنی تھے۔ اب اس کے بعد ''غت ربود'' کے معنی ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے، نہ کسی لغت میں ملا نہ کسی کتاب میں ملا۔ وہیں سے یہ لفظ غتربود، مہمل بات کے لئے ضرب المثل بن گیا۔ مجمع البحار میں ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ **نهى عن الحلق قبل الصّلٰوة اى صلاة الجمعة** جو حاء کے کسرہ اور لام کے زبر کے ساتھ حلقہ کی جمع ہے اور بعض جاہلوں نے اس کو حاء کے زبر اور لام کے سکون کے ساتھ سمجھا اور چالیس سال تک جمعہ سے پہلے سر نہیں مُنڈایا۔ (اھ سندھی علی ابن ماجۃ)

یہ ثمرہ ہے اُستاد سے نہ پڑھنے کا، حالانکہ یہ مضمون مختلف کتب حدیث میں تحلق کے لفظ کے ساتھ آتا ہے۔

شمائل ترمذی میں امام ابن سیرین سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث شریف

(ایسے ہی اور علوم دینیہ) دین میں داخل ہیں۔ لہٰذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔ شمائل میں لکھا ہے کہ ابن سیرین اپنے وقت کے امام اور مشہود تابعی ہیں۔ بہت سے صحابہ کرامؓ سے علوم حاصل کیے۔ فن تعبیر کے بھی امام ہیں۔ خواب کی تعبیر میں ان کے ارشادات حجت ہیں۔ ان کے ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ جس سے دین حاصل کرو اُس کی دیانت، تقویٰ، مذہب، مسلک اچھی طرح تحقیق کر لو، ایسا نہ کرو کہ ہر شخص کے کہنے پر عمل کرو خواہ وہ کیسا ہی بے دین ہو۔ اس لئے کہ اس کی بددینی اثر کئے بغیر نہیں رہے گی...... عامۂ قلوب میں یہ سما گیا ہے کہ آدمی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا کہا، یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کس نے کہا۔ حالانکہ یہ مضمون فی نفسہٖ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس شخص کے لئے ہے جو سمجھ سکتا ہو کہ کیا کہا، حق کہا یا باطل اور غلط کہا۔ لیکن جو لوگ اپنی ناواقفیت دینی کی وجہ سے کھرے کھوٹے، صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکتے ہوں اُن کو ہر شخص کی بات سننا مناسب نہیں کہ اس کا نتیجہ مآل کار مضر تو نقصان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دعویدار اگر ولایت، امامت، نبوّت، رسالت حتیٰ کہ خدائی تک کا بھی نعوذ باللہ دعویٰ کرے تو ایک گروہ فوراً اُس کا تابع بن جاتا ہے۔

بخاری میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے۔ **انما العلم بالتعلّم** شراحِ حدیث نے اس حدیث کو مختلف طرق اور اسانید سے نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ علم وہی معتبر ہے جو انبیاء کرامؑ اور اُن کے ورثاء (علماء) سے سیکھ کر حاصل کیا جائے۔

بخاری ہی میں حضورِ اقدس ﷺ کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں کے قلوب سے ایک دم نکال کر نہیں ختم کرے گا بلکہ علم اس طرح ختم ہوگا

کہ علماء اُٹھتے چلے جائیں گے، حتیٰ کہ کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ اپنے سردار جاہلوں کو بنالیں گے، اُن سے لوگ مسائل پوچھیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ آج کل اس کا ظہور شروع ہوگیا ہے کہ اکابر علماء میں سے جو اُٹھتا ہے وہ اپنی جگہ خالی چھوڑ کر جاتا ہے۔ اس کا نعم البدل تو کیا اُس جیسا بھی کوئی دوسرا نہیں ہوتا۔ اور لوگ جاہلوں کو اپنا دینی سردار بناتے جا رہے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے حجۃ الوداع میں اعلان کیا تھا کہ علم کو اُس کے اُٹھائے جانے سے پہلے پہلے حاصل کرلو۔ کسی نے پوچھا کہ یا رُسول اللہؐ! علم کس طرح اُٹھایا جائے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ علم کا اُٹھنا اُس کے حاملین (یعنی علماء) کے اُٹھنے سے ہوگا۔ تین دفعہ اس کو فرمایا۔

☆☆☆☆☆

عبادات میں سب سے اہم چیز نماز ہے، قیامت میں سب سے پہلے نماز ہی کا حساب ہوگا۔ حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے۔

''نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو، نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ آدمی کے اور شرک کے درمیان نماز ہی حائل ہے۔ اسلام کی علامت نماز ہے۔ جو شخص دل کو فارغ کر کے اور اوقات اور مستحبات کی رعایت رکھ کر نماز پڑھے وہ مومن ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے کوئی چیز ایمان اور نماز سے افضل فرض نہیں کی، اگر اس سے افضل کسی اور چیز کو فرض کرتے تو فرشتوں کو اس کا حکم دیتے، فرشتے دن رات کوئی رکوع میں ہے اور کوئی سجدے میں۔ نماز دین کا ستون ہے۔ نماز افضل جہاد ہے۔ جب کوئی آفت آسمان سے اُترتی ہے تو مسجد کے آباد کرنے والوں سے ہٹ جاتی ہے۔'' الحدیث (فضائل نماز ص۱۹)

اکابر دیوبند کی نماز کے واقعات میں سے چند لکھواتا ہوں، ان کا احصاء تو بہت مشکل ہے اور بہت ضخیم کتاب چاہئے۔

امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوھی رحمۃ اللہ علیہ

تذکرۃ الرشید میں لکھا ہے کہ مولوی ممتاز علی انبیٹھوی فرماتے ہیں کہ یہاں جب بلوچستان میں حضرت گنگوہیؒ کے انتقال کی خبر پہنچی تو اتفاق سے مولانا ابوالخیر صاحب یہیں مقیم تھے۔ دو ۲ بار اُن کا پیام پہنچا کہ مجھ سے آ کر مل

جاؤ۔ آخر جب میں پہنچا تو دیکھا کہ مولا بے اختیار رو رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی گریہ اور زیادہ ہوا، یہاں تک کہ چیخیں نکلنے لگیں، سارے مجمع پر اس کیفیت کا یہ اثر تھا کہ قریب تھا کہ دھاڑیں مارتے مارتے سب لوگ بیہوش ہو جائیں، اسی حالت میں مولانا ابوالخیر صاحبؒ نے فرمایا۔ آہ مولوی ممتاز علی ہندوستان سے بڑا شخص اُٹھ گیا، ہائے افسوس، مخلوق نے قدر نہ جانی کہ مولانا کیا چیز تھے۔ میں نے معتبر ذریعہ سے سُنا ہے کہ حضرت مولانا قدس سرہٗ نے ایک آیت پر روتے روتے تمام رات گذار دی تھی، اور وہ آیت یہ تھی۔

يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ o

(تذکرہ الرشید ص ۱۹۱/۱)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ حق تعالیٰ کی عظمت اور جلالہٖ شان چونکہ آپ کی رَگ رگ میں پیوست تھی اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت آپ پر اکثر حالت کا غلبہ ہوتا، اور اگر اغیار سے مجلس خالی ہوتی تو اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا۔ آخر شب میں جبکہ خالی مکان کے اندر آپ اپنے آقا کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرأتِ قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہوتا اور پڑھتے پڑھتے رُک رُک جاتے تھے سبکیاں آپ کا حلق تھام لیتیں اور بکاء پر مجبور کرنے والی حالت آپ کو ساکت وصامت بنا دیا کرتی تھی۔ آنکھوں سے آنسو بہتے اور رخسارے ولحیہ پر گذرتے ہوئے موتیوں کی طرح مصلے پر گرا کرتے تھے۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب خورجوری کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہ حاضر ہوا، رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ حضرت ہی سُنایا کرتے تھے۔ ایک شب آپ نے تراویح شروع کی، میں بھی جماعت میں شریک تھا، قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف و

خشیت دلایا گیا تھا۔ جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان سمجھنے والے تھے اور باقی سب ناواقف۔ مگر آپ کے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا، کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ۔ اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اُس میں رحمتِ خداوندی کا بیان تھا، اُس وقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہوگیا اور پہلی حالت یکلخت منقلب ہوگئی فرحت وانبساط کے ساتھ یہاں تک کہ بعض مقتدی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔

(تذکرہ الرشید ص ۲/۱۹۸)

اپنے معاملہ میں آپ کا تقویٰ واحتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول راجح اور اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرمایا کرتے تھے۔ باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر پڑھ سکیں اُس وقت تک اسی طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں نے بمشکل اُٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر لیکر کھڑے ہو گئے اور قیام، رُکوع وسجود اُن ہی کے سہارے نماز ادا کی۔ ہر چند خدّام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کر لیجئے، مگر کچھ جواب نہ دیا نہ قبول فرمایا۔ ایک روز مولوی محمد یحیٰی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کونسا وقت اور کونسی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟ آپ نے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر قادر ہوتا ہے[1]۔

[1] مجھے اس کا عکس یاد ہے کہ امام صاحب کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر قادر نہیں صاحبین کے نزدیک ہے، میرے خیال میں نقل میں سہو ہوا، بہر حال حضرت نے اس قول کو اختیار کیا جس میں قادر بقدرۃ الغیر قادر ہوتا ہے۔ (۱۲ ازکریا)

اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اُٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں۔ آخر جب نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اُس وقت چند وقت کی نمازیں آپ نے بیٹھ کر پڑھیں۔ (تذکرۃ الرشید ص ۲۴/۲)

حضرت گنگوہیؒ کی اخیر عمر میں آنکھوں میں نزول آب ہو گیا تھا۔ خدام نے آنکھ بنوانے پر اصرار کیا، مگر آپ نے انکار فرما دیا۔ ایک ڈاکٹر صاحب نے وعدہ کیا کہ حضرت کی کوئی نماز قضاء نہ ہونے دوں گا، فجر اوّل وقت اور ظہر آخر وقت میں پڑھ لیں، البتہ چند روز تک سجدہ زمین پر نہ فرما دیں۔ اُنچا تکیہ رکھ کر اس پر کر لیں۔ اس پر ارشاد فرمایا کہ چند دن کی نمازیں تو بہت ہوتی ہیں، ایک سجدہ بھی اِس طرح گوارا نہیں۔ (آپ بیتی نمبر ۶ ص ۲۱۱)

تذکرۃ الرشید صفحہ ۱۶ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ دیوبند کے جلسہ دستار بندی میں جب آپ تشریف لائے تو غالباً عصر کی نماز میں ایک دن ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نماز پڑھانے کو مصلے پر جا کھڑے ہوئے۔ مخلوق کے ازدحام اور مصافحہ کی کثرت کے باعث باوجود عجلت کے جس وقت آپ جماعت میں شریک ہوئے ہیں تو قرأت شروع ہو گئی تھی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا تو آپ اُداس اور چہرہ پر اضمحلال برس رہا تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہو گئی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

سوانح قاسمی صفحہ ۳۱۹ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ آخری حج سے واپسی میں

جہاز میں حضرت (نانوتویؒ) ایسے بیمار ہو گئے کہ اُٹھنے بیٹھنے کی بالکل طاقت نہ رہی۔ بار بار استفراغ ہوتا تھا، خادم اُٹھا کر بٹھا دیتا اور سلفچی میں استفراغ کراتا تھا۔ صرف صفراء ہی نکلتا تھا، کلی کرا کر پھر لٹا دیتا تھا۔ دن رات میں کسی وقت اس قدر سکون نہ تھا کہ اچھی طرح خواب راحت ہو۔ ذرا دیر ہوئی کہ استفراغ کا تقاضا ہوا، ہر وقت لیٹے رہتے تھے مگر جب نماز کا وقت آتا تو وہ استفراغ موقوف ہو جاتا اور بیٹھ کر اطمینان سے نماز پڑھتے۔ نماز کے بعد پھر وہی دورہ پہ دورہ شروع ہو جاتا۔ حضرت نانوتویؒ کی اہلیہ فرماتی ہیں کہ حضرت کی عادت شب کو سوتے وقت دودھ کے استعمال کی تھی اور شب کی غذا عامۃً یہی ہوتی تھی۔ جب حضرت نمازِ عشاء سے فارغ ہو کر آتے اور بالا خانہ پر تشریف لے جاتے تو دودھ کا پیالہ لے کر میں پہنچ جاتی۔ قاعدہ یہ تھا کہ اگر میرا انتظار کرتے تو یہ علامت خوش دلی کی ہوتی، اور اگر انتظار کئے بغیر نوافل میں مشغول ہو گئے تو یہ علامت ناگواری کی ہوتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت نے نوافل میں پوری شب گذار دی اور میں بھی پوری شب پیالہ لئے کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔ قاری طیب صاحب لکھتے ہیں کہ غالباً مجاہدہ کرانا ہی مقصود ہوگا۔ قاری صاحب لکھتے ہیں کہ داری صاحبہ اذان کی ''حی علی الصّلٰوۃ'' پر کام کو چھوڑ کر اس طرح اُٹھ جائیں کہ گویا اس کام سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ تھا بالکل ہر چیز سے بیگانہ بن جاتیں (سوانح قاسمی ص ۱/۵۱۸) نیز سوانح قاسمی صفحہ ۲۰۴ جلد ۱ ہی میں ہے کہ خالق کے ساتھ آپ کے تعلق بے دار کا حال یہ تھا کہ نمازِ باجماعت ادا کرتے اور تکبیر اُولٰی کو کبھی ترک نہ کرتے، اذان ہوتے ہی نماز کا اہتمام شروع کر دیتے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

تذکرۃ الخلیل میں حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حالِ سفر میں بھی آپ جماعت کا اہتمام فرماتے اور حتی الوسع ریل ٹھہرنے پر نیچے اُتر کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ مگر ایسی صورت میں اکثر مولوی زکریا صاحب کی امامت کو پسند فرماتے کہ وہ نہایت مختصر قرأت، قیام وقعود کے عادی تھے، باہر نماز پڑھنے میں دشواری معلوم ہوتی تو ریل ہی میں جماعت کرتے اور استقبال قبلہ کی ہر حال صورت نکال لیا کرتے۔ آپ نے مدنی راستہ میں اُونٹ کی سواری سے اُترنے اور جماعت کا اہتمام کرنے میں بھی کبھی تکاسل نہیں فرمایا۔ اچھے اچھے جوان اور مستعد اُونٹ سے اُترتے ہوئے گھبراتے، مگر آپ ہمیشہ وقت مستحب پر اُترتے اور اتنے وضو کرتے آپ کا اُونٹ دور نکل جاتا تو آپ لپکتے اور اُس سے اتنا آگے بڑھ جاتے جتنا وہ وضوء کرنے میں آگے نکلا تھا۔ وہاں پہنچ کر باجماعت نماز ادا کرتے اور جب دیکھتے کہ اُونٹ اب آگے نکل گیا تو پھر لپکتے اور زیادہ آگے نکل کر سنن موکدہ ادا فرماتے اور پھر لپک کر اُونٹ پکڑتے اور اس پر سوار ہو جاتے تھے۔ اگر دوسری نماز کا وقت قریب دیکھتے تو پیدل چلتے رہتے اور وقت پر اُس کو بھی باجماعت ادا فرما کر اُونٹ پر سوار ہوتے تھے۔ اسی طرح کئی کئی میل آپ کو پیدل چلنا پڑتا مگر آپ تکان نہ مانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ قصر کی قدر یہاں آ کر ہوتی ہے کہ دو رکعت میں جب اتنا بھاگنا پڑتا ہے تو چار میں کیا کچھ ہوتا۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۰۷)

مولوی عبداللہ جان (مشہور بیرسٹر سہارنپور) لکھتے ہیں کہ ایک خاص واقعہ جو میں نے حضرت کے متعلق ہمیشہ نوٹ کیا اور وہ میرے دل پر نہایت موثر رہا ہے، یہ ہے کہ ادائے نماز کی حالت میں بمصداق کَاَنَّکَ تَرَاہُ حضرت پر وقار اور خشوع اور سکینہ کی ایک خاص حالت طاری رہتی تھی۔ بچپن سے بجمد

اللہ تعالیٰ میری تعلیم وتربیت اور نشست و برخاست علما کرام کی صحبت میں رہی ہے مگر حضرت کے سوا میرے ذہن میں اور کوئی مثال نہیں جس کو حضرت کی نماز کے مماثل کہہ سکوں۔ بدن میں کھجلی لگے ہر شخص کو کھجاتے دیکھا ہے، مگر حضرت کو یوں معلوم ہوتا تھا کہ نماز کی حالت میں کوئی خارجی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی بلکہ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے کہ کبھی حضرت کو زکام یا کھانسی کی شدت ہوئی تو نماز کے شروع کر دینے کے بعد ختم نماز تک حضرت کو کبھی کھانسی بھی نہیں آئی، بارہا دیکھا کہ فارغ ہونے کے بعد حضرت کو فوراً کھانسی اٹھی اور حضرت اُٹھ کر نالی پر جا بیٹھے وہاں خوب کھانسے بلغم تھوکا اور سب ضروریات کو دفع کیا لیکن جب پھر نماز شروع فرمادی تو معلوم ہوتا تھا کہ کسی مرض کا کوئی اثر آپ پر نہیں ہے۔ میں ہمیشہ سوچا کرتا تھا کہ حضورِ قلب اس کا نام ہے۔ اس کیفیت کا جب ابتداء مجھے احساس ہوا تو اس کے بعد میں ہمیشہ حضرت کی نماز کا غور سے مشاہدہ کیا کرتا اور برسوں اس کا نظارہ یکساں کرتا رہا۔ کبھی حضرت کو صحت یا علالت میں بیٹھ کر نماز پڑھتے میں نے نہیں دیکھا، بجز ایک دفعہ ایک کہ دو ۲ آدمیوں نے پکڑ کر حضرت کی خواہش کے موافق مغرب کی نماز ادا کروائی، اُس وقت حضرت ایسے علیل تھے کہ جانبر ہونے کی ظاہری توقع بالکل جاتی رہی تھی۔

تذکرۃ الخلیل صفحہ ۳۴۵ میں مولانا ظفر احمد (شیخ الاسلام پاکستان) کی روایت سے لکھا ہے کہ میں حضرت کی خدمت میں چھ سال رہا ہوں، مجھے یاد نہیں کہ حضرت کی تکبیر تحریمہ کبھی فوت ہوئی ہو۔ البتہ ایک دن صبح کو وضو کرتے ہوئے آپ کے دانتوں میں سے خون آنے لگا اور دیر تک اس کا سلسلہ چلتا رہا تو مسجد میں خادم کو بھیجا کہ نماز میں میری وجہ سے دیر نہ کی جائے، میرے دانتوں سے خون جاری ہے جو بند نہیں ہوتا، اس روز بے شک عذر کی وجہ سے حضرت کی تکبیر تحریمہ فوت ہوئی مگر رکعت اس روز بھی فوت نہیں ہوئی۔ احقر کو اس چھ سال

میں حضرت کے ساتھ سفر وحضر کو بارہا اتفاق ہوا مگر میں نے حضرت کی تہجد کا ناغہ ہوتے کبھی نہ دیکھا۔

حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ کا معمول رمضان میں تراویح کے بعد سے صبح تک قرآن پاک سننے کا تھا، حافظ بدلتے رہتے، اور حضرت اخیر تک کھڑے ہوکر سنتے رہتے تھے جس کی وجہ سے کبھی کبھی پاؤں پر ورم بھی آ جاتا تھا تو اس پر خوش ہوتے کہ حتّٰی تورّمت قدماہ کی سنت کی موافقت ہوگئی۔

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت کا معمول مالٹا کا حضرت میاں صاحب نے ''حیات شیخ الہندؒ'' میں لکھا ہے:

''زمانہ نظر بندی میں حضرت اکثر متوجہ اللہ میں خاموش رہتے یا تسبیح اور ذکر اللہ میں مشغول، عشاء کی نماز کے بعد تھوڑی دیر اپنے وظائف پڑھتے تھے اور پھر آرام فرماتے اور دو بجے کے قریب سخت سردی میں اُٹھ کر (کہ مالٹا کی سردی مشہور ومعروف ہے) ٹھنڈے پانی سے وضوء کرتے اور اس طرح اُٹھتے کہ دوسرے کے آرام میں خلل نہ آئے اور نمازِ تہجد اس کمرہ میں جو نماز کے لئے مخصوص تھا ادا فرماتے۔ تہجد کے بعد اپنے کمرے میں آکر اپنی چارپائی پر بیٹھ جاتے، اور صبح صادق تک مراقبہ اور ذکر خفی میں مشغول رہتے، نمازِ فجر کے بعد آفتاب بلند ہونے تک مصلی پر مراقب بیٹھے رہتے اور نمازِ اشراق ادا فرماکر اپنے کمرے میں آتے اور چائے وغیرہ نوش فرماتے۔ پھر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے اور کلام پاک کا ترجمہ لکھتے یا مولوی وحید احمد کو سبق پڑھاتے۔ کھانے کے بعد تھوڑی دیر قیلولہ فرماتے، پھر

وضو، کر کے تلاوتِ قرآن، حزب الاعظم وغیرہ ظہر تک پڑھتے رہتے۔ نماز کے بعد کبھی مولوی وحید احمد کا سبق ہوتا یا ترجمہ تحریر فرماتے اور بعض مرتبہ دوسرے کیمپوں میں بھی بعض احباب کی ملاقات کے لئے تشریف لیجاتے اور عصر کے بعد تسبیح چادر کے اندر چھپا کر مغرب تک اوراد وغیرہ میں مشغول رہتے۔ مغرب کے قریب رفقاء کے ساتھ کھانا کھا کر پھر اپنی جگہ پر آ کر ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے اور مغرب کے بعد بھی عشاء تک ذکرُ اللہ اور نوافل میں مشغول رہتے مالٹا کی سخت سَردی میں کُھلے میدان میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا پڑتا لیکن کبھی معمول میں فرق نہیں آیا ....

مالٹا کی اسیری میں آپ کو غیر اللہ سے انتہاء درجہ کی کراہت ہوگئی تھی۔ کسی سے ملتے تھے تو بجبوری، مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کا خیال تھا کہ بعض اوقات حضرت کو ہم لوگوں سے بات کرنا بھی ناگوار ہوتا اس کو واپسی میں حضرت نے مولانا اصغر حسین صاحب سے ارشاد فرمایا کہ یکسوئی کو کیا پوچھتے ہو بعض اوقات خیال آتا تھا کہ رفیق لوگ بھی ساتھ نہ ہوتے تو اور بھی اچھا ہوتا، مالٹا سے واپسی پر چونکہ جہاز میں رمضان شروع ہوگیا تھا اس خیال سے کہ ہندوستان پہنچ کر قرآن پورا کرنے کا وقت ملے یا نہ ملے جہاز ہی میں ۲۰ رمضان تک مولانا حسین احمد صاحبؒ نے تراویح میں قرآن پاک ختم کر دیا۔"

(حیات شیخ الہند ص ۱۲۷)

☆☆☆☆☆

جہاں تک میری معلومات ہے بلکہ محقق ہے میرے اکابر دیوبند پر ابتداء میں تو کسی پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوئی۔

مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

میرے چچا جان مولا محمد الیاس نوّر اللہ مرقدہٗ کے دو قصے تو اتنے مشہور ہیں کہ بہت سی جگہ چھپ بھی چکے ہیں۔ ایک مرتبہ اُن کا نظام الدین سے خط آیا کہ کئی دن سے تمہیں ایک ضروری خط لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں، مگر میرے پاس پیسہ نہیں تھا اور محض خط کے واسطے قرض لینے کو جی نہ چاہا، آج پیسے آئے تو کارڈ لکھ رہا ہوں۔'' اُس زمانہ میں کارڈ دو پیسے میں آتا تھا۔ اور اُن کا گولر کا قصہ تو بہت ہی زباں زدِ خاص و عام اور مشہور ہے۔

ان کا معمول گیارہ مہینے ذکر بالجہر اخیر شب کا تھا، مگر رمضان میں عصر سے مغرب تک کا۔ اس لئے کہ رمضان کے اخیر شب کے معمولات اور تھے۔ ماہِ مبارک میں ذکر جہری عصر کے بعد شروع کرتے تھے اور مغرب سے دو تین منٹ پہلے ختم کرتے تھے اور ختم کرنے کے بعد پوچھا کرتے تھے کہ ''لاؤ بھائی افطار کے واسطے کچھ ہے؟'' اور جو ہوتا وہ وہیں بیٹھے ہوئے اُن کو دیدیا جاتا۔ میرے اور اُن کے ایک عزیز دہلی کی ایک مسجد میں امام تھے۔ دہلی میں رمضان کی فتوحات کا ماشاء اللہ کیا پوچھنا، مگر اُن کو خیال ہوا کہ بھائی جی ساری دہلی کے پیر ہیں، آج رات وہاں رہ کر گزاریں گے۔ وہ ظہر کے بعد آئے، وہاں سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے تھے۔ وہ بھی بے چارے ایک جگہ بیٹھ کر پڑھنے

پڑھانے میں لگ گئے، اور جب مغرب کا وقت قریب ہوا تو سوچ میں پڑ گئے کہ یہاں تو کھانے پینے کا کوئی ذکر نہیں۔ چچا جان نور اللہ مرقدہٗ نے حسب معمول غروب سے چند منٹ پہلے فرمایا کہ لاؤ بھائی کچھ افطار کے لئے ہو تو۔ خدام نے عرض کیا کہ وہی رات کا بدھنا گولر کا ہے اور تو کچھ ہے نہیں۔ فرمایا واہ واہ، وہی لاؤ۔ اور اُس میں سے چار پانچ گولر کھا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ ان کا ہمیشہ کا معمول تھا کہ جو کچھ کھانا پینا ہوتا تھا مغرب سے پہلے ہی کھا لیتے تھے اور پھر عشاء تک کھڑے ہوئے نفلوں میں قرآن پڑھا کرتے تھے۔ اور عشاء کی اذان سے دس بارہ منٹ پہلے سلام پھیر کر وہیں مسجد ہی میں لیٹ جاتے تھے، خدام پاؤں دباتے تھے اور عشاء کی جماعت سے دس بارہ منٹ پہلے اُٹھ کر وضو وغیرہ کر کے نماز شروع کر دیتے۔ تراویح خود ہی پڑھایا کرتے تھے، بہت اطمینان سے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ میں تراویح سے فراغت ہوتی۔ میرے ان عزیز نے تو مغرب کے بعد جا کر اندر گھر میں کھانا کھا لیا اور چچا جان تراویح کے بعد فوراً سو جایا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے چار پائی پر تکیہ پر سر رکھنے کی خبر نہیں ہوتی اس سے پہلے ہی سو جاتا ہوں۔ یہ ملکہ اللہ جل شانہٗ نے میرے حضرت نور اللہ مرقدہٗ اور حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کو بھی دے رکھا تھا کہ جب چاہیں سو جائیں اُٹھ جائیں۔ چچا جان اس وقت سو کر بارہ بجے اُٹھ جاتے تھے چاہے کوئی موسم ہو۔ اور اس وقت اُٹھ کر وضو، پیشاب وغیرہ کرتے، اتنے میں کوئی خادم دو انڈے اُبال کر دیدیتا، اور اس کے بعد پھر نماز کی نیت باندھ لیتے اور صبح صادق سے دس پندرہ منٹ پہلے سلام پھرتے اور خدام سے فرماتے کہ لاؤ بھائی سحری کے لئے کچھ۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت وہی رات کے گولر ہیں۔ چار پانچ کھا کر پانی پی لیا۔ میرے ان عزیز نے یہ منظر دیکھ کر صبح کی

نماز کے بعد جانے کی اجازت چاہی، چچا جان نے کہا کہ آج نہیں۔ یہ بیچارہ سوچتا رہا کہ میں کیا سوچ کر آیا تھا۔ مگر چچا جان نے زور سے منع کر دیا تھا اِس لئے ٹھہرنا پڑا۔ دوسرے دن عصر کے آدھ گھنٹے بعد دہلی سے ایک دیگ بہت ہی بڑھیا بریانی کی آئی چچا جان نے فرمایا کہ ''آؤ تمہارے واسطے آئی ہے ہمارے تو وہ گولر ہی تھے۔''

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام کو دیوبند سے پشاور یا کلکتہ جانا ہوتا تو دسیوں دفعہ میرے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت نے فرمایا کہ سہارنپور تک کا ٹکٹ لیا ہے آگے کے دام نہیں تھے۔ اور حضرت مجھ سے کرایہ لے کر آگے تشریف لے جاتے تھے۔ میرے پاس بھی بعض اوقات نہیں ہوتا تو میری تو ساری زندگی ہی قرض سے چلی ہے، میں کسی سے لیکر پیش کر دیتا، اور حضرت شیخ الاسلامؒ کو جہاں فتوحات میں اس قرض کی مقدار پوری ہو جاتی اسی جگہ میزبان کو وہ رقم اور منی آرڈر کی فیس دیکر آگے چلے جاتے اور واپسی پر میں اپنی گستاخی کی عادت سے خوب لڑتا کہ آپ کو منی آرڈر کرنے کی کیا ضرورت تھی آپ واپسی پر دیدیتے یہ انگریزوں کو جو آپ نے اتنے پیسے مفت میں نذر کئے یہ موالات میں نہیں؟ حضرت قدس سرہٗ فرماتے کہ موت کا اعتبار نہیں۔ میں عرض کرتا کہ ہاں میں تو ضرور قیامت میں آپ کا دامن پکڑ لیتا۔ یہ بات کہ حضرت کو دیوبند میں کوئی نہیں ملتا تھا جس سے قرض لے لیتے۔ ظاہر میں تو بڑی قوی ہے مگر اس ناکارہ کے ساتھ جو حضرت کا تعلق اس وقت سے تھا جب میری عمر بارہ برس کی تھی۔ اس کی تفصیل کا یہ وقت نہیں۔ حضرت مدنیؒ کی عسرت کے واقعات تو

مدینہ کے ابتدائی قیام میں اتنے طویل لکھے ہیں کہ ان کا لکھنا مشکل ہے، جو دیکھنا چاہے نقش حیات میں دیکھ لے۔

اپنے والد صاحب کو میں نے جب سے ہوش سنبھالا مقروض پایا اور اخیر تک مقروض ہی رہے۔ انتقال کے وقت بھی آٹھ ہزار قرض تھا اور یہ تنعّم یا ذاتی اخراجات پر نہیں ہوتا تھا بلکہ اُن کو ایک جذبہ تھا اکابر کی کتابوں کی اشاعت کا جو مجھ سے بھی بہت زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ بہشتی زیور کی کثرتِ اشاعت میں حضرت حکیم الامت نورّ اللہ مرقدہٗ کی برکت اور کتاب کی اہمیت کے علاوہ میرے والد صاحبؒ کے اس جذبہ کو بہت دخل تھا۔ بہشتی زیور سال بھر ان کے یہاں چھپتا رہتا تھا، کسی وقت بند نہیں ہوتا تھا۔ جونسا حصہ ختم ہوا اُس کا آرڈر فوراً دیدیا جاتا، ہر حصہ پانچ ہزار چھپتا تھا۔ اس وقت میں بہشتی گوہر کے علاوہ ہر حصہ تقریباً ساڑھے سات پیسے میں پڑتا تھا اور تاجروں کو عموماً سات پیسے میں دیا جاتا تھا اور تاجران کی اصطلاح میں وہ سمجھا جاتا تھا جو دس ۱۰ نسخے اکٹھے خریدتا۔ اس لئے بہت سے لوگ، چند آدمی مل کر دس نسخے خرید لیتے اور اپنے یہاں جا کر کامل بہشتی زیور مع بہشتی گوہر کے جس کی عام قیمت ڈھائی روپے تھی اُن کو دو، سوا دو، روپے میں بیچ دیتے اور اُن کا اپنا نسخہ مفت میں رہ جاتا۔ اعلیٰ حضرت قطب الارشاد گنگوہیؒ کے یہاں آمد و رفت بہت کثرت سے رہتی تھی جن سے تھوڑی بہت واقفیت ہو جاتی اُن کو چار پانچ نسخے دیدیتے کہ بیچ کر اتنے خود رکھ لو اور اتنے مجھے بھیج دو۔

مولانا محمد یحیٰ کاندھلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ

والد صاحب نورّ اللہ مرقدہٗ کے انتقال کے بعد کئی سال تک لوگوں کے

میرے پاس خطوط آتے رہے کہ مولانا مرحوم نے اتنے نسخے بہشتی زیور کے دیئے تھے بک تو اُسی وقت گئے تھے مگر دام بھیجنے میں تساہل ہوا، اب بھیجتا ہوں اور بعض لوگ لکھتے کہ اُس وقت تو پیسے بھیجنے میں تساہل ہوا، اور اب اتنی گنجائش نہیں معاف کر دیں۔ اور اس کے ساتھ ہی میرے والد صاحب نورّ اللہ مرقدہٗ کا معمول تھا کہ رات کو اپنے پاس کوئی پیسہ نہیں رکھتے تھے۔ اگر روپیہ یا اس سے زائد ہوا تو کسی قرض خواہ کو دیدیا اور کم ہوا تو ہم بچوں کو دیدیا۔ اور یوں فرمایا کرتے کہ میرا جی نہیں چاہتا کہ رات کو اگر موت آ جائے تو میری ملک میں کوئی پیسہ ہو۔ یہ اور اس قسم کے بہت سے واقعات ہمارے اکابر کے بہت کثرت سے ہیں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

سیّد الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے احوال میں درج ہے، آپ بیتی صفحہ ۱۸۶ جلد ۶ میں لکھا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے فقر وفاقہ کے حالات بہت ہی کثرت سے سننے میں آئے۔ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ حضرت حاجی صاحبؒ کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت قدس سرہٗ کے مرشد حضرت میانجیو نور اللہ مرقدہٗ کے ۱۲۵۹ھ میں رحلت فرمانے کے بعد آپ کے قلب مبارک میں جذبہ الٰہیہ پیدا ہوا اور آپ آبادی سے ویرانہ کو چلے گئے۔ مخلوق سے نفرت فرماتے تھے اور جنگل وغیرہ میں اوقات بسر فرماتے تھے۔ اور اکثر وقت فاقہ سے کہ سنت نبوی ﷺ ہے، مشرف ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آٹھ روز اور زیادہ بھی گذر جاتے اور ذرا سی چیز حلقِ مبارک میں نہ جاتی۔ اور حالت شدتِ بھوک میں اسرار وعجائب فاقہ مکشوف ہوتے تھے۔ بیان

فرماتے تھے کہ ایک دن بہت بھوک کی تکلیف میں ایک دوست سے کہ نہایت خلوصِ دلی رکھتا تھا چند پیسے میں نے بطور قرض مانگے تھے، باوجود موجود ہونے کے انکار صاف کر دیا۔ اس کی اس نا اتفاقی سے تکدر و ملال دل میں پیدا ہوا۔ چند منٹ بعد ایک تجلی نے استعلاء فرمایا اور معلوم ہوا کہ یہ فعل فاعل حقیقی سے متکون ہوا ہے۔ اُس وقت سے خلوص اس دولت کا زائد ہوا اور وہ تکدر مبدل بلطف ہوگیا۔ بظاہر یہ دوسرا واقعہ ہے اور مکہ والا دوسرا واقعہ ہے۔ اس لئے کہ حضرت حکیم الامتؒ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ جب میں مکہ مکرمہ آیا تو نوبت فاقوں کی پہنچ گئی۔ کئی کئی دن تک اتفاق کھانے کا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے عرض کی کہ بارِالٰہا مجھ میں طاقتِ امتحان نہیں ہے۔ بعدہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ لاکھوں روپے کا خرچ تمہارے ہاتھوں مقرر ہوگا۔ میں نے عرض کیا کہ اس مہم کی طاقت نہیں رکھتا۔ ہنس کر فرمایا کہ تمہاری حاجت بند نہیں رہنے کی۔ اس وقت سے خرچ ماہانہ کی اقل مرتبہ سو روپے ہے، خدا اپنے خزانۂ رحمت سے پہنچاتا ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ تحریر فرماتے ہیں کہ قطب عالم حضرت حاجی صاحبؒ کو فرماتے ہوئے میں نے خود سنا کہ ایک ہفتہ تک موصوف کو صرف زمزم کے پانی پر گذارہ کرنا پڑا۔ اسی اثناء میں ایک مخلص دوست سے جو کہ بہت زیادہ اخلاص کا مدعی تھا، چند پیسے قرض مانگے تو اُس نے ناداری کا بہانہ کر کے انکار کر دیا۔ حالانکہ واقع میں نادار نہ تھا۔ حضرت قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں اس کے انکار سے سمجھا کہ منشاءِ الوہیت یہی ہے، اس لئے میں بھی صبر کر کے چپکا ہوگیا۔ وغیرہ بہت سے واقعات ہیں۔ اُن کا احصاء مقصود نہیں۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت قطب الارشاد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تذکرۃ الرشید صفحہ ۳۶ جلد ا میں لکھا ہے:

''ایام طالبِ علمی میں آپ نے اپنی خورد و نوش کا دہلی میں کسی پر بار نہ ڈالا۔ تین روپے ماہوار آپ کے ماموں بھیجا کرتے تھے، اسی میں روکھی سوکھی روٹی اور دال ترکاری وقت پر جو کچھ آسانی سے مل گیا آپ نے کھائی اور اسی تین روپے میں کپڑے دُھلائی، اصلاح خط جو کچھ بھی ضرورت پیش آئی رفع کی۔ دہلی میں آپ کو کوئی کیمیا گر اور مہوس بھی ملے اور اُنہوں نے آپ کی روش اور انداز کو دیکھ کر بہ نیت محبت بتانا اور آپ کو کیمیاء کا بنانا سکھانا بھی چاہا مگر آپ کی زہد اور قناعت پسند طبیعت نے خود طمع یا حرص کرنی تو در کنار اس کا سیکھنا بھی گوارا نہ فرمایا'' میں نے اپنے والد صاحبؒ سے سنا کہ ایک دفعہ ترمذی پڑھاتے ہوئے وہ پرچہ میری ترمذی میں نکل آیا۔ ایک صاحب نے فرمایا کہ مجھے نقل دیدیجئے، میں نے اُن کو اصل ہی دیدی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

دوسری جگہ صفحہ ۷۷ جلد ۲ میں حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ:۔

''میں نے اور میرے گھر والوں نے فاقے اُٹھائے مگر الحمد للہ قرض کبھی نہیں لیا۔''

تذکرہ الرشید صفحہ ۱۷۲ جلد ۲ میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ والیٔ افغانستان سلطان حبیب اللہ خان نے اپنے سفیر کے ہاتھ پانچ ہزار روپے حضرت کی

خدمت میں بھیجے اور یہ کہا کہ یہ مقدار ہر سال خدمت میں آتی رہے گی اور معاوضہ صرف دُعا رہے۔ مگر حضرت نے قبول نہیں کیا۔ اور سفیر نے کہا کہ مجھے کم سے کم میری حاضری کا تو لکھدیں۔ والی کو شبہ ہوگا کہ ویسے ہی بات بنا دی تو حضرت نے فارسی زبان میں یہ لکھوا دیا کہ بحیثیت اسلام مجھے آپ سے تعلق ہے اور میرا دل آپ کو ہمیشہ دُعا دیتا ہے۔ خصوصاً موجودہ حالت میں محبت اسلام اور قدر و منزلت علم کی خبریں سن کر بہت خوش ہوتا ہوں، اللہ تعالیٰ برکت عطاء فرمائے۔ آپ کی نذر پہنچی مگر چونکہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور حق تعالیٰ نے مجھے بہتیرا کچھ دے رکھا ہے، جمع کر کے کیا کروں گا، اس لئے واپس کرتا ہوں، کسی دوسرے مصرف خیر میں خرچ کر دیا جائے، اور مجھے بہرحال دُعاء کو سمجھئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے واقعات بھی بہت کثرت سے فقر و فاقہ کے سنے۔ سوانح قاسمی صفحہ ۴۵۲ جلد ۱ میں لکھا ہے کہ: ہمارے حضرت کے پاس کپڑوں کی گٹھڑی نہ تھی، نہ ٹرنک، بکس تھا۔ اس منقطع عن الخلق اور زاہد کے حجرہ میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔ چٹائی بھی اگر ایک تھی تو وہ ٹوٹی ہوئی، گویا عمر بھر کے لئے اسی چٹائی کو منتخب فرمالیا تھا۔ سفر میں بھی کوئی اہتمام نہ تھا، اگر کبھی ایک آدھ کپڑا ہوا تو کسی کے پاس رکھوا دیا ورنہ اسی ایک جوڑے میں سفر پورا ہوتا۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی۔ جب کپڑے زیادہ میلے ہوئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اُتار لئے اور خود ہی دھو لئے۔ حضرت شیخ الہندؒ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ وہ لباس کیا تھا، بغیر کرتہ کے بندوں دار اچکن یا انگرکھا اور پائجامہ، سردی ہوئی تو مختصر سا عمامہ، ورنہ عموماً کنٹوپ تمام سردی میں سر پر رہتا

تھا۔ آخری علالت کے دوران میں جس کے بعد پھر صحت واپس نہیں ہوئی۔ یہ لباس تھا سر پر میلا اور پھٹا ہوا عمامہ جس میں لہرے پڑے ہوئے تھے۔ اور چونکہ سردی کا زمانہ تھا اِس لئے ایک دھوتر کی نیلی رنگی ہوئی مرزائی پہنے ہوئے تھے جس میں بند لگے ہوئے تھے۔ اور نیچے نہ کُرتہ تھا نہ انگرکھا تھا، اور ایک رضائی اوڑھے ہوئے تھے جو نیلی رنگی ہوئی اور جس میں مومی گوٹ لگی ہوئی تھی جو پھٹی ہوئی تھی اور کُہنہ تھی اور کہیں سے بالکل اُڑی ہوئی تھی۔

مولانا احمد حسن امروہی نے اپنا خود دیکھا ہوا واقعہ لکھا ہے کہ شاہجہاں پور سے خدا شناسی والے میلے تک جانے کے لئے راستہ میں ایک ندی پڑتی تھی۔ مولانا پیدل جا رہے تھے، ندی میں پانی تھا، پاجامہ پہنے ہوئے دریا میں اُتر پڑے جس سے پاجامہ بھیگ گیا۔ پار اُتر کر لنگی باندھی اور پاجامہ اُتار کر نچوڑا اور پیچھے لاٹھی پر ڈال کر جیسے گاؤں کے رہنے والے ڈال لیا کرتے ہیں تشریف لے چلے۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں کہ بعد انتقال والد صاحب (مولانا مملوک العلی صاحب) کے احقر اپنے مکان مملوک میں جو چیلوں کے کوچہ دہلی میں تھا جا رہا۔ مولوی صاحب (مولانا محمد قاسم صاحب) بھی میرے پاس آ رہے۔ کوٹھے پر جھلنگا (بڑی سی ٹوٹی ہوئی چارپائی) پڑا ہوا تھا، اُس پر پڑے رہتے تھے۔ میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا اُسی کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں سالن دیدیا کرو۔ مگر بدقّت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے ورنہ وہی رُوکھا سُوکھا ٹکڑا چبا کر پڑے رہتے تھے۔ ارواح ثلاثہ صفحہ ۲۱۷ میں مولانا امیر الدین صاحب کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بھوپال سے مولانا کی طلبی آئی اور پانچ سو روپے

تنخواہ مقرر کی۔ میں نے کہا اے بے قاسم تو چلا کیوں نہیں جاتا؟ تو فرمایا کہ وہ مجھے صاحبِ کمال سمجھ کر بلاتے ہیں اور اسی بنا پر وہ پانچ سو روپے دیتے ہیں، مگر میں اپنے اندر کوئی کمال نہیں پاتا پھر کس بنا پر جاؤں۔ میں نے بہت اصرار کیا مگر نہیں مانا۔

ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۲۲۹ میں لکھا ہے کہ نواب محمود علی خاں مولانا سے ملاقات کے بہت متمنی تھے مگر مولانا بھی اُن سے کبھی نہیں ملے چنانچہ دو مرتبہ وہ مولانا سے میرٹھ ملنے آئے اور دو مرتبہ علی گڑھ، مگر جب مولانا کو اُن کے آنے کا علم ہوتا مولانا شہر چھوڑ کر کسی طرف چل دیتے اور فرماتے تھے کہ نواب صاحب سے دو باتیں کہہ دینا، ایک یہ کہ نواب صاحب غازی آباد کے اسٹیشن پر مسجد بنوا دیں اور دوسری عجیب بات یہ فرمائی کہ اگر وہ ایسا کریں گے تو میں اُن کی پالکی کا پایہ پکڑ کر چلوں گا۔ دوسری بات کو تو سن کر نواب صاحب ہنسنے لگے اور پہلی بات کی نسبت فرمایا کہ میں کوشش کر چکا ہوں مگر اجازت نہیں ملی۔

حضرت نانوتویؒ کی شادی کا قصہ بہت مشہور ہے۔ سوانح قاسمی صفحہ ۵۰۷ میں حضرت کی اہلیہ محترمہ کی روایت درج کی ہے۔ وہ فرمایا کرتی تھیں کہ میرے والد شیخ کرامت حسین رئیس دیوبند نے جب حضرت سے نکاح کر کے مجھے رخصت کیا تو اُس زمانہ کے لحاظ سے جہیز بہت بڑا اور عظیم الشان دیا جس میں قیمتی زیورات، کپڑے اور تانبے کے برتنوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ حضرت جب شبِ اوّل میں تشریف لائے تو آتے ہی نوافل شروع فرمائے۔ نوافل سے فارغ ہونے کے بعد میرے پاس تشریف لائے۔ انتہائی سنجیدگی اور متانت سی فرمایا۔ ''جب تم کو اللہ نے میرے ساتھ وابستہ کر دیا ہے تو نبھا کی ضرورت ہے مگر بصورت موجودہ نبھا میں دشواری ہے کہ تم امیر ہو اور میں غریب

نادار ہوں صورتیں اب دو ہی ہیں یا میں بھی امیر بنوں یا تم میری طرح نادار بن جاؤ۔ اور میرا امیر بننا تو دشوار ہے اس لئے آسان صورت دوسری ہوسکتی ہے کہ تم میری طرح ہو جاو کچھ اور بھی اسی طرح فرمایا۔ اخیر میں یہ فرمایا کہ اگر تم کو کسی بات کا حکم دوں جس میں تمہارا ہی نفع ہو تو کیا تم کو مجھ پر اعتماد ہوگا؟ کئی بار فرمانے پر بالآخر میں نے عرض کیا کہ مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔ اچھا سب زیور اُتار کر مجھے دیدو اور جس قدر تمہارے ساتھ کپڑے اور برتن ہیں اُن کا بھی مجھے اختیار دیدو۔ اس پر حضرت کی اہلیہ نے بغیر کسی تذبذب اور دغدغہ کے عرض کیا کہ آپ کو کلی اختیار ہے۔ اور پھر علی الصباح تمام زیورات تمام جوڑے کپڑوں کے اور سارے برتن جو ہزاروں روپے کا سامان تھا سب کا سب چندہ سلطانی میں دے دیا (خلافت اسلامیہ ترکی کیلئے اُس وقت ہندوستان میں چندہ ہو رہا تھا) آگے حضرت کی اہلیہ ہی فرماتی ہیں کہ جب میں دیوبند واپس ہوئی تو رئیس باپ نے میرے ہاتھ پاؤں، ناک کان کو خالی دیکھ کر پوچھا کہ زیور کیا ہوا؟ انہوں نے جو واقعہ پیش آیا تھا سب والد کے سامنے دُہرایا۔ شیخ کرامت حسین صاحب زبان سے تو کچھ نہ بولے، لیکن اس خیال سے کہ بچی اعزہ اقرباء کے سامنے ننگی بنی ہوئی کب تک رہے گی پھر از سر نو پورا جہیز تیار کیا۔ حضرت کی اہلیہ فرماتی ہیں۔ ''میں پھر لد پھند کر دوبارہ سسرال پہنچی، رات کو حضرت تشریف لائے پھر ترغیب آخرت سے گفتگو شروع ہوئی اور کل کی تیاری کیلئے آج کا اختیار پھر لینے کی خواہش ظاہر کی۔ اختیار جو پہلے ہی دیا جا چکا تھا اُسکی واپسی کا سوال ہی کب پیدا ہوا تھا، کہدیا گیا کہ آپ مختار ہیں۔ اور پھر صبح ہی یہ ہزاروں روپے کا سامان پھر سلطانی چندہ میں دے ڈالا۔'' حضرت کی اہلیہ محترمہ عموماً کہا کرتی تھیں کہ اس کے بعد میرے قلب

سے روپے پیسے اور زیور وغیرہ کی محبت ہی قطعاً نکل گئی، بلکہ ان اشیاء سے ایک قسم کا تنفر پیدا ہو گیا۔ پھر عمر بھر نہ میں نے زیور بنوایا اور نہ فاخرہ لباس کی مجھ میں کبھی ہوس یا آرزو پیدا ہوئی۔

مولانا الحاج قاری طیب صاحب ارقام فرماتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے کسی معتقد نے ایک چادر بیش قیمت اور ایک عدد زیور طلائی بی بی صاحبہ کی ملک کر کے بھیجا، حضرت نے اُن تک یہ امانت تو پہنچا دی لیکن ادائے امانت کے بعد اپنے اختیار کی جو بات تھی بی بی صاحبہ کے سامنے بایں الفاظ سے پیش کرنے لگے کہ فی الحقیقت چادر اور زیور سے دل خوش ضرور ہوتا ہے لیکن چند روز کے استعمال سے یہ دونوں ہی چیزیں خراب ہو جائیں گی۔ اور یہ بھی ارشاد ہوا کہ جو کام اِس ریشمی چادر سے نکلے گا وہی لٹھے کی سفید چادر سے بھی نکل سکتا ہے، خداوند تعالیٰ ان کے عوض عاقبت میں پائیدار لباس اور زیور عطاء فرمائیں گے۔ اس پر بی بی صاحبہ نے دونوں کو فوراً دے دیا اور دل پر میل نہ آیا۔ (سوانح قاسمی ص ۱/۵۱۵)

میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے بھی گنگوہ کے قیام میں بہشتی زیور کے قرضہ میں میری والدہ کا سارا زیور لے کر ایک صاحب کے پاس گروی رکھا تھا، وہ بھی ایک صاحبزادے تھے اور اپنے آپ کو بڑا ہشیار سمجھتے تھے، اُنہوں نے اُن سارے زیورات کو گلا کر سونے کی ایک ڈلی بنالی اور جب والد صاحب نے پوچھا کہ آپ نے کیا کیا؟ فرمانے لگے حضرت آجکل سونے کی قیمت زیادہ ہے۔ والد صاحب چپ ہو گئے اور والدہ نے بھی کہدیا کہ میں اس کا زیور تو دوبارہ بنوانے سے رہی، شوق کے دن پورے ہو گئے، اب آپ ہی اس کو اپنے قرضہ میں لے لیجئے۔

تھوڑی سی مناسبت سے ایک اور واقعہ بھی لکھدوں۔ ۱۳۷۴ھ میں میری بچیاں حج کو گئیں، میں نے اُن سے کہدیا کہ سب اپنا اپنا زیور دے دو جس کے پاس جتنی کسر رہ جائے گی وہ میں پوری کردوں گا۔ بہت ہی شوق سے سب نے اپنا زیور دیدیا۔ اس سفر میں حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ بھی ساتھ تھے۔ اورعزیزان مولوی یوسفؒ اور مولوی انعام بھی۔ آپ بیتی میں یہ قصہ مفصل آ چکا ہے۔

حضرت سہارنپوری نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق مولوی لطیف الرحمٰن کی روایت آپ بیتی نمبر۶ صفحہ ۲۰۰ میں لکھی ہے کہ: ایک مرتبہ پیالہ لے کر حضرت اقدس سہارنپوری کے دولت کدہ پر گیا۔ حضرت کے منتظم کار حاجی مقبول صاحب آئے، میں نے اُن سے کہ کہ مطبخ کی دال کھائی نہیں جاتی، تھوڑا سا سالن دیدیجئے۔ اُنہوں نے جواب دیا آج تو سالن ہے نہیں میں نے کہا کہ حضرت کے سالن میں سے دیدو، انہوں نے جواب دیا حضرت کا سالن بھی نہیں، آج گھر میں فاقہ ہے۔ اس پر میں نے کہا کہ اچھا میں بازار سے حضرت کیلئے کچھ لے آؤں۔ اس پر اُنہوں نے فوراً میرے پیر پکڑ لئے کہ اللہ کے واسطے ایسا نہ کرنا ورنہ میری آفت آ جائے گی کہ گھر کا راز کیوں ظاہر کیا۔ لیکن جب گھر سے باہر تشریف لاتے تو عمدہ لباس میں تاکہ کسی کو ادنیٰ شبہ بھی نہ ہو کہ گھر میں فاقہ ہے۔

حضرت سہارنپوریؒ نور اللہ مرقدہٗ جب ۱۳۱۴ھ میں مظاہر علوم میں مدرس ہوکر آئے تھے تو مدرسہ کے متصل کرایہ پر ایک مکان لیا تھا، دو روپیہ ماہوار اس کا کرایہ تھا، اور جب ۱۳۴۴ء میں مستقل مدینہ پاک میں قیام کی نیت سے گئے اُس وقت تک اُسی میں قیام رہا۔ دروازہ کے متصل ایک چھوٹی سے

چھپر یہ تھی، یہ باورچی خانہ تھا، اس کے بعد میں ایک کوٹھڑی تھی۔ باورچی خانہ کی چھپریہ اسی پر سے پڑی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے ایک کوٹھا تھا، اس پر بھی ایک چھپر پڑا ہوا تھا، ہمیشہ اسی میں گذر فرمایا۔ ۴۔۵ برس میں وہ چھپّر گل جاتا، اُس کو بدل دیا جاتا، لوگوں نے کہا بھی حضرت اس کی جگہ ایک ٹین ڈلوالیں حضرت نے فرمایا ارے کاہے کے واسطے، کے دن کی زندگی ہے۔ وہ چھپّر جہاں سے ٹپکتا اُس کے نیچے سے سامان کچھ آگے کو سرکا لیا جاتا۔ میں نے بھی بہت دفعہ اس چھپّر کو ٹپکتے ہوئے دیکھا مگر حضرت نور اللہ مرقدہ نے کبھی ٹین ڈالوانے کا ارادہ نہیں کیا۔ جب مستورات گھر میں مہمان ہو جاتیں تو حضرت مدرسہ میں آرام فرمایا کرتے۔ بالخصوص جب حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی صاجبزادی تشریف لاتیں اور وہ کئی دن قیام فرمایا کرتی تھیں۔ ایک دو دن حضرت کے یہاں۔ اس کے بعد اس ناکارہ کے مکان پر تشریف لے آتیں۔ تو حضرت قدس سرہٗ اُن کے قیام کے زمانہ میں مدرسہ میں سویا کرتے تھے کہ رات کو حضرت محترمہ کو تکلیف نہ ہو، استنجاء وغیرہ کی ضرورت ہو تو استنجاء جانے کے لئے حضرت کی کوٹھڑی کے سامنے پردہ نہ کرانا پڑے۔ جب حضرت ۱۳۴۴ھ میں تشریف لے گئے پھر اس مکان میں وہ شاندار تغیر ہوئے کہ سارا ہی نقشہ بدل گیا۔ چھپّروں کی جگہ سہ دری بن گئی وغیرہ وغیرہ۔ حضرت قدس سرہٗ کے زمانہ میں پائخانہ پر چھت بھی بہت مختصر تھی جو صرف قدمچہ پر آتی تھی۔ معلوم نہیں اس پر کس طرح گذر ہوتا تھا۔ اسی طرح میرے دوسرے اکابر کے مکانات بھی۔ اگر ذاتی ہوتا تو بہت ہی مختصر ہوتا۔ اور اگر کرایہ پر ہوتا تو بہت مختصر کرایہ پر ہوتا۔ ان اکابر کے دور کے بعد پھر جب اصاغر کا دور آیا تو ماشاء اللہ ہر مکان اُونچا اُونچا تعمیر ہو گیا۔ دُنیا کے بے ثباتی ''ہر چہ گیرید مختصر گیرید'' پر ان اکابر کا بہت ہی عمل

دیکھا۔ اعلیٰ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ کے مکان میں بھی ایک بہت چھوٹی سی کوٹھڑی تھی۔ اخیر میں حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی سب چیزیں اسی میں رکھی رہتی تھیں اور اس کی کنجی حضرت کے پاس رہتی تھی کھانا وغیرہ تو باہر نوش فرماتے صحن میں یا سہ دری میں، مگر وہ کوٹھڑی حضرت کی مخصوص تھی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کے یہاں بھی ابتدائی دور تو بہت ہی فقر و فاقہ کا گزرا، مگر اخیر میں فتوحات کا دَور بھی ہو گیا تھا۔ اس میں بھی بعض اَوقات تنگی آ جاتی۔

ملا عبدالعزیز صاحب نے ایک دفعہ آ کر کہا کہ حضرت آٹا بھی ختم ہو چکا اور لکڑیاں بھی تمام ہو گئیں۔ کل کے لئے نہ جنس کا دانہ ہے نہ پاس کوئی پیسہ آپ سن کر خاموش ہو گئے اور کچھ جواب نہ دیا، مگر خود فرماتے تھے کہ دل میں اپنے مالک سے یہ دُعاء ہوئی کہ اے کریم آقا! یہ تیری مخلوق جو تیرے کلام کی تلاوت اور تعلیم میں مشغول ہے کیا فاقہ کرے گی؟ اس کے بعد خود ہی یہ مضمون دل پر جما کہ تو جان تیرا کام، اگر فاقہ ہی کرانا منظور ہے تو صبر کی توفیق بخشے کہ یہ بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ رات ہوئی اور موجودہ غلہ پک پکا کر مٹکے خالی ہو گئے مگر آپ کی طبیعت پر نہ ہراس و پریشانی آئی نہ کسی سے قرض مانگنے کا وسوسہ ہوا۔ صبح نہ ہوئی تھی کہ طالبِ علم جو نہانے کیلئے ندی پر گئے تھے دوڑے ہوئے آئے اور کہا کہ حضرت جی ندی میں تو لکڑیاں بہی چلی آ رہی ہیں۔ خوشی کے مارے آپ کا چہرہ دمکنے لگا اور آپ نے فرمایا کہ کریم رزاق نے تمہاری روزی کا سامان بھیجا ہے، جاؤ جتنی سمیٹی جائیں سمیٹ لاؤ۔ چنانچہ سارے

طالب علم دوڑ پڑے اور روک لگا کر لکڑیاں لادنی شروع کر دیں۔ کہ دو گھنٹے میں اتنا اُونچا ڈھیر لگ گیا جس سے زیادہ کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ (اس کے حاشیہ میں مولانا عاشق الٰہیؒ لکھتے ہیں کہ ''برسات میں پانی برس کر بہہ کر نالوں ندیوں میں جاتا اور پڑی گری لکڑیوں، خس و خاشاک کو بہا لیجاتا ہے، یہ لکڑیاں عام ہوتی ہیں، جو لے لے اُس کی ہیں۔ اس لئے لے لی گئیں'' از زریا؛ ''خود رو درخت بھی پانی میں بہہ کر چلے آتے ہیں۔'') اب آٹے کی ضرورت رہ گئی۔ دو ۲ گھنٹے بعد ڈاکیہ آیا اور ڈیڑھ سو روپے کا منی آرڈر پیش کیا جس میں لکھا تھا کہ مدرسۃ القرآن کے لئے بھیجتا ہوں، اس کے خرچ میں لائیں۔ آپ فرماتے تھے کہ میں نے بھیجنے والے کا نام پوچھا تو ایسا شخص جس کو میں جانتا بھی نہ تھا۔ میں نے بار بار کہا کہ کسی اور کا ہوگا کیونکہ بھیجنے والا میرے ذہن میں نہیں آیا۔ مگر ڈاکیہ نے کہا کہ پتہ آپ کا، نام آپ کا، مرسل کو آپ پہچانیں یا نہ پہچانیں مگر اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ آپ کا ہے۔ پس آپ نے وصول فرمایا اور یہ کہہ کر مُلّا عبدالعزیز کے حوالہ کیا کہ لو مُلّا جی! اللہ تعالیٰ نے اپنے مہمانوں کے آٹے لکڑی کا سامان کر دیا۔ روٹی کا وقت آ گیا ہے اس لئے جلدی آٹا منگا لو کہ لکڑی موجود ہے موٹی موٹی روٹیاں پکا کر نمک سے سب کھالیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۲۴۰)

حضرتؒ کے یہاں اس قسم کے واقعات بہت پیش آئے، اور اخیر میں خود حضرت کی فتوحات اتنی بڑھ گئی تھیں کہ لاتعداد ولاتحصٰی۔ مگر حضرت کو اس کا رکھنا بہت ہی گراں تھا۔ جب دوپہر ہوتی حضرت فرماتے کہ بھائی دیکھو یہ تکیہ کے نیچے کوئی کیا رکھ گیا۔ اور اُسی وقت اعزہ اقرباء اور ضرورتمندوں کو تقسیم کر دیتے، حتیٰ کہ اخیر میں حضرت نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی اپنے خادم خاص مولانا عبدالقادر صاحب کو دے دیئے تھے کہ اب جو دن زندگی کے ہیں

تمہارے کپڑے مانگ کر پہن لوں گا۔ مگر حضرت مولانا عبدالقادر صاحب ادباً اُن کو پہنا نہیں کرتے تھے، اور جمعہ بھی چونکہ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب ہی پڑھاتے تھے اور ایک ہی جوڑا تھا جس کو دھو کر جمعہ کو پہنا کرتے تھے ایک دن جمعہ میں آنے میں دیر ہوگئی۔ حضرت نے بار بار پوچھا کیوں دیر ہوئی؟ حضرت چپ، مگر حضرت کے اس سوال پر کہنا پڑا تو اعلیٰ حضرت نے بہت ترشروئی سے فرمایا کہ یہ میرے کپڑے تمہارے پاس آگ لگانے کے لئے دے رکھے ہیں۔ مگر حضرت کا ولولہ یہی تھا کہ کوئی چیز میری ملک میں نہ رہے۔

(سوانح مولانا عبدالقادر صاحب ص ۷۰)

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ رائے پور کے ابتدائی قیام میں ایک روٹی روز ملتی تھی۔ وہ بھی کہیں سے کچی کہیں سے پکی بغیر سالن کے۔ گاؤں سے کسی دن چھاچھ آ جاتی تو اُس سے حلق میں اُتاری جاتی ورنہ پانی سے۔ وہ ارشاد فرماتے تھے کہ ہمارے یو پی کے ساتھی تو اسی ایک روٹی کو آدھی آدھی کر کے دو وقت میں کھاتے اور میں پنجاب کا رہنے والا ایک ہی وقت میں کھا لیتا تھا اور دوسرے وقت میں اللہ کا نام۔ باغ میں پتے تلاش کیا کرتے تھے جن پر گذر ہو جائے۔ مختلف پتے بھی کبھی کھائے۔ اکثر مہمانوں کی چائے سے جو پتی بچتی تھی اُس کو پکا کر اور باورچی خانہ میں جو پُرانا گڑ مل جاتا تھا اُس کو پکا کر شیرہ بنا کر اُس میں وہ پتی ڈال کر روٹی اُس سے کھا لیتا تھا۔ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر ایک پھٹا ہوا کپڑا کسی کا پڑا ہوا تھا ردّی کر کے ڈال دیا گیا تھا حضرت نے اُس کو اُٹھا کر دھو کر پاک کر کے کئی تہہ کر کے اُس کو حافظ یوسف علی صاحب کی گھوڑی

جہاں بندھتی تھی وہاں بچھا دیا تھا وہی بستر ہ تھا وہی مصلّٰے تھا ۱۴ سال تک اسی پر گذر کیا۔ خانقاہ میں ایک ہی لالٹین تھی وہ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے حجرہ میں رہتی تھی اور خانقاہ میں سانپ بچھو، کنکھجورے جنگل میں کثرت سے ہوتے تھے۔ حضرت فرماتے تھے کہ ایک ٹوٹا ہوا بانس بستر کے قریب رکھا رہتا تھا اُس کو کبھی زمین پر مار دیتا تھا کہ کوئی سانپ بچھو ہو تو بھاگ جائے۔

(سوانح مولانا عبدالقادر صاحب ص ۶۶)

مولانا کے بھی بہت سے واقعات اُن کی سوانح میں ہیں۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ سردی کا موسم تھا، میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کا نہیں تھا۔ شام کو مغرب سے لے کر عشاء تک وضوء کیلئے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا اور اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا۔ پھر نماز عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے کو لپیٹ لیتا تھا مگر اس میں بھی پاؤں اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی پھر تھوڑی دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا اور ذکر شروع کر دیتا اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گذارتا۔ اسی طرح سارا موسم سردی کا ختم ہو گیا مگر نہ میں نے کسی سے ذکر کیا اور کسی پر ظاہر ہوا۔ فرماتے تھے کہ سردی تو اس طرح گذر گئی مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آئی ہو۔

(سوانح مولانا عبدالقادر صاحب ص ۶۷)

اس ناکارہ زکریا پر سارے ہی اکابر کی انتہائی شفقتیں رہیں، مگر افسوس کہ اپنی حالت درست نہ ہوئی۔ ان رضائیوں میں جس سال کوئی بہت بڑھیا رضائی آئی تو اس کو حضرتؒ اس ناکارہ کے پاس بھیج دیا کرتے تھے اور یہ ناکارہ اپنے بخل کی وجہ سے خود تو اچھا کپڑا پہننے کا عادی کبھی نہیں ہوا، وہ تو ابا جان کے

جوتوں نے شروع میں ہی نکالدیا تھا۔ یہ تو آپ بیتی نمبر ا صفحہ ۱۳ میں گذر چکا۔
حضرت کی اس رضائی کو بہت احتیاط سے ایک ٹاٹ میں باندھ کرر کھدیا کرتا تھا
اور جونسی بچی کا نکاح ہوتا اسی کے جہیز میں دیدیا کرتا تھا۔ میری سب بچیوں کے
جہیز کی رضائیاں حضرتؒ ہی کی دی ہوئی ہیں۔ اخیر زمانہ میں حضرتؒ پر فتوحات
کا دور کھل گیا تھا مگر اپنے شیخ نور اللہ مرقدہٗ کی طرح سے حضرت پر بھی جو آتا تھا
اُسی وقت خرچ کرنا ضروری تھا۔ اگر میں حاضر ہوتا تو مجھ کو اکثر مرحمت فرما دیا
کرتے تھے اور جب میں کبھی اصرار کرتا کہ حضرت کے خدّام بہت ہیں حضرت
ان میں سے کسی کو دیں تو حضرت فرماتے کہ میرے دینے پر انکار نہ کیا کرو، میں
حکم سے دیتا ہوں تو مجھے بھی چپ ہونا پڑتا۔

میرے سارے اکابر پر ابتدائی دَور بہت ہی سخت گذرے ہیں۔
حضرت مدنیؒ کے مدینہ کا ابتدائی دور تو نقش حیات میں بہت کثرت سے ذکر کیا
گیا ہے۔ مگر اخیر میں سب حضرات پر فتوحات بہت ہوئیں۔ حضرت گنگوہیؒ کا
واقعہ پہلے لکھا جاچکا کہ امیر کابل نے پانچ ہزار روپے بھیجے تھے مگر حضرت نے
واپس کر دیئے اور حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح میں لکھا ہے
کہ روزانہ کئی کئی منی آرڈر واپس ہوتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے حالات میں
لکھا ہے کہ روزانہ کئی کئی منی آرڈر واپس ہوتے تھے۔ حضرت نانوتویؒ کے
حالات میں لکھا ہے کہ حضرتؒ چھتہ کی مسجد میں حجامت بنوا رہے تھے کہ شیخ
عبدالکریم رئیس لال کرتی میرٹھ حضرت سے ملنے کے لئے دیوبند آئے، مولانا
نے اُن کو دُور سے آتے ہوئے دیکھا، جب وہ قریب آئے تو ایک تغافل کے
ساتھ رُخ دوسری طرف پھیرلیا۔ گویا کہ دیکھا ہی نہیں، وہ آ کر ہاتھ باندھ کر
کھڑے ہوگئے، اُنکے ہاتھ میں رومال میں بندھے ہوئے بہت سے روپے
تھے۔ جب اُنہیں کھڑے ہوئے بہت عرصہ ہوگیا تو حضرت مولانا نے اُن کی

طرف رُخ کر کے فرمایا کہ آہا شیخ صاحب ہیں! مزاج اچھا ہے؟ اُنہوں نے سلام عرض کیا اور قدم چوم لئے اور روپیہ بندھا ہوا رومال قدموں پر ڈال دیا۔ حضرتؒ نے اسے قدموں سے الگ کر دیا۔ تب اُنہوں نے ہاتھ باندھ کر بہ منّت قبول فرما لینے کی درخواست کی۔ بالآخر بہت سے انکار کے بعد اُنہوں نے تمام روپیہ حضرت کی جوتیوں میں ڈال دئے، حضرت جب اُٹھے تو نہایت استغناء کے ساتھ جوتے جھاڑے اور روپیہ سب زمین پر گر گئے۔ حضرت نے جوتے پہن لئے اور حافظ انوار الحق سے ہنس کر فرمایا کہ حافظ جی ہم بھی دُنیا کماتے ہیں اور اہل دُنیا بھی دُنیا کماتے ہیں، فرق یہ ہے کہ ہم دنیا کو ٹھکراتے ہیں اور وہ قدموں میں پڑتی ہے اور دُنیا دار اس کے قدموں میں گرتے ہیں اور وہ انہیں ٹھکراتی ہے۔ اور یہ فرما کر روپیہ وہیں تقسیم کر دیا۔ (ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۲۶۴)

مگر اس زمانہ میں بھی پیسے رکھنے کا معمول ایک دو کے سوا نہیں سنا۔ جو آتا وہ خفیہ امداد بہت کثرت سے ہوتی تھی، حتیٰ کہ لینے والے کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوتا تھا، اور حضرت مدنیؒ کے یہاں تو ایک چیز بہت کثرت سے پیش آتی تھی جس کا مجھے بھی کئی سفروں میں تجربہ ہوا کہ حضرتؒ نے گرمی میں آ کر کسی جگہ اچکن لٹکائی اور تھوڑی دیر آرام کیا اور اچکن میں سے کوئی صاحب تبرک سمجھ کر جو تھا نکال کر لے گئے اور حضرت کو اس کی خبر بھی ہوگئی کہ فلاں شخص آیا تھا اور حضرت کی جیب میں سے پیسے نکال کر لے گیا۔ حضرت نے اپنا سفر تو قرض سے پورا کیا اور اُس شخص کا نام بھی ظاہر کرنے سے منع کر دیا۔ ان حضرات کی کس کس ادا کو ذکر کیا جائے ہزاروں واقعات ان لاتعد ولاتحصیٰ خوبیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ کاش ہم جیسے نالائقوں کو بھی اس میں سے حصہ ملتا......

☆☆☆

......روزہ اور رمضان......

روزۂ نوافل میں تو ان حضرات کا پتہ چلنا مشکل ہے اس لئے کہ یہ اخفاء کی بہت کوشش کیا کرتے تھے۔ میرے چچا جان رحمۃ اللہ علیہ کا گنگوہ کا قیام بڑے مجاہدہ کا گذرا۔ حکیم نے پانی کو منع کر دیا تھا۔ سات برس تک پانی نہیں پیا۔ کلیاں کبھی کبھی کر لیا کرتے تھے جب شدتِ پیاس ہوتی تھی یا کوئی پھل وغیرہ کھا لیتے تھے۔ اور والد صاحب نورّ اللہ مرقدہٗ کے ساتھ ساتھ دعوت میں بھی جانا ہوتا تھا، میں چونکہ حالات سے واقف تھا، پاس ہی بیٹھتا تھا۔ بڑے اہتمام سے لقمہ بناتے، منہ بھی چلاتے رہتے، مگر وہ لقمہ بننے کے بعد میرے منہ میں جاتا تھا۔ روزہ بدستور رہتا، کسی کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کے متعلق بھی دو واقعے تو میں پہلے لکھوا چکا ہوں، ایک یہ کہ عشرہ ذی الحجہ کے روزوں کا بہت اہتمام تھا اور سفر میں بھی رکھتے تھے اور مجھے فرما دیا کرتے تھے کہ رات کو تھرمس میں چائے رکھ دینا۔ مگر میری اہلیہ مرحومہ کبھی اس کو گوارہ نہیں کرتی تھی۔ وہ وقت سے پہلے اُٹھ کر چائے بناتی، انڈا وغیرہ تل کر ساتھ رکھتی اور میں خود بھی چونکہ اُس زمانہ میں سونے کا عادی نہیں تھا۔ اتنے حضرتؒ میرے یہاں رہتے میں اپنا کام کرتا رہتا تھا۔ حضرت کے اسٹیشن روانہ ہونے کے بعد سویا کرتا تھا۔ اہلیہ مرحومہ جب سحر کا وقت ہوتا نیچے سے کھڑکا کرتی میں جا کے لے آتا۔ حضرت اکثر ناراض ہوتے کہ کیوں ستاتے ہو۔ میں کہتا کہ میں نے نہیں اُٹھایا وہ اپنے شوق سے کرتی

ہے۔البتہ میں کارِ خیر میں حارج نہیں ہوتا۔اس پر حضرت ہنس دیتے۔

دوسرا واقعہ حضرتؒ کا ۱۳۲۶ھ کا کہیں لکھوا چکا ہوں کہ دو تین ماہ گنگوہ خانقاہ میں گزارے۔ اس زمانہ میں حضرت نے پورے زمانہ قیام گنگوہ میں روزے رکھے اور میں غروب سے پہلے اپنے گھر کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا۔ میری والدہ محترمہ بہت شوق سے افطاری تیار کرتیں اور چارپائی پر لگا دیتیں اور میں دروازہ پر کھڑا رہتا اور جب دور سے آتے دیکھتا تو وہیں سی شور مچاتا کہ آ گئے آ گئے اور بڑی بے تکلفی سے میں بھی افطار میں شریک ہوتا۔اس مضمون کو حضرت بھی کہیں کہیں اپنی تحریرات میں لکھتے رہے ہیں کہ میں اس سے اس وقت سے واقف ہوں جب اس کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ اس کے بعد سے حضرت کی شفقتیں بڑھتی ہی رہیں۔البتہ رمضان کا بڑا اہتمام ان سب حضرات کے یہاں بڑے زوروں کا ہوتا تھا۔

حضرت مولانا رشید گنگوہی قدس سرہ

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں گیارہ مہینہ تک مجلس کے دو وقت ہوتے تھے، ایک صبح کو نو بجے خواص کی اور دوسری عصر سے مغرب تک عوام کی۔مگر ۲۹۔شعبان کو یہ کہہ کر مصافحہ کر لیتے تھے کہ بھائی اب ایک مہینہ کو چھٹی، ماہِ مبارک کو بھی آدمی باتوں میں ضائع کر دے تو اس سے زیادہ ظلم کیا ہوگا۔ بہت سے واقعات میں ان حضرات کے ''اکابر کا رمضان'' میں لکھوا چکا ہوں، نمونہ کچھ یہاں بھی لکھواتا ہوں۔

اس میں لکھا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کی ریاضت ومجاہدہ کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والوں کو رحم آتا اور ترس کھاتے۔ چنانچہ اس پیرانہ سالی میں جبکہ آپ

ستر سال کی عمر سے متجاوز ہو گئے تھے کثرتِ عبادت کا یہ عالم تھا کہ دن بھر کا روزہ اور اور بعد مغرب ٦ کی جگہ ٢٠ رکعات صلوٰۃ الاوّابین پڑھا کرتے تھے جس میں تخمیناً دو دو پارے قرآن مجید سے کم تلاوت نہ ہوتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ رکوع اور سجدہ اتنا طویل کہ دیکھنے والوں کو سہو کا گمان ہو۔ نماز سے فارغ ہو کر مکان تک آنے جانے اور کھانا کھانے کے لئے مکان پر ٹھہرنے میں کئی پارے تلاوت کر لیا کرتے تھے۔ پھر تھوڑی دیر بعد نماز عشاء اور صلوٰۃِ تراویح میں جس میں گھنٹہ سوا گھنٹہ سے کم خرچ نہیں ہوتا تھا، تراویح سے فارغ ہو کر ساڑھے دس گیارہ بجے آرام فرماتے اور دو ڈھائی بجے ہی اُٹھ کھڑے ہوتے تھے بلکہ بعض دفعہ خدام نے ایک بجے بھی آپ کو وضو کرتے پایا۔ اس وقت اُٹھ کر ڈھائی تین گھنٹے تک تہجد میں مشغولیت رہتی تھی۔ بعض مرتبہ سحر کھانے کے لئے کسی خادم کو پانچ بجے جانے کا اتفاق ہوا تو آپ کو نماز ہی میں مشغول پایا۔ صلوٰۃ فجر کے بعد آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک وظائف اور اوراد اور مراقبہ و ملاحظہ میں مصروفیت رہتی تھی۔ پھر اشراق پڑھتے اور چند ساعت استراحت فرماتے اتنے ڈاک آ جاتی تو خطوط کے جوابات اور فتاوٰی لکھواتے اور چاشت کی نماز سے فارغ ہو کر قیلولہ فرماتے تھے۔ ظہر کے بعد حجرۂ شریفہ بند ہو جاتا تھا اور تا عصر کلام اللہ شریف کی تلاوت میں مصروف رہتے تھے۔ باوجودیکہ اس رمضان میں جس کے یہ معمولات لکھے گئے اس میں وجع الورک کا حملہ بھی تھا کہ استنجا گاہ سے حجرہ تک آنے میں پندرہ سولہ قدم تھے راستہ میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ اس حالت میں نوافل بھی بیٹھ کر نہیں پڑھے۔ خدام کے بار بار اصرار پر کہ آج تراویح بیٹھ کر پڑھ لیں حضرت کا جواب ہوتا کہ یہ کم ہمتی کی بات ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت نانوتویؒ کے حالات تو مجھے ملے نہیں البتہ یہ مشہور ہے کہ ۱۲۷۷ھ کے سفر حجاز میں ماہِ مبارک میں قرآن پاک حفظ کیا تھا۔ روزانہ ایک پارہ یاد کر کے تراویح میں سنایا کرتے تھے۔ مگر خود حضرت نانوتویؒ کا ارشاد ہے کہ دو رمضانوں میں یاد کیا۔ اور پھر تو اتنی کثرت سے پڑھنے کا معمول ہو گیا تھا کہ بعض وقت ایک رکعت میں ۲۷ پارے پڑھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے رمضان میں پاؤ پاؤ پارے یاد کئے اور دوسرے رمضان میں ایک ایک پارہ یاد کر کے ختم کیا۔

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے متعلق حضرت حکیم الامت نے لکھا ہے کہ حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ تمہاری تعلیم کے واسطے کہتا ہوں کہ یہ فقیر عالم شباب میں اکثر راتوں کو نہیں سویا، خصوصاً رمضان شریف میں بعد مغرب دو لڑکے نابالغ حافظ یوسف ولد حافظ ضامن اور حافظ احمد حسین میرا بھتیجا سوا سوا پارہ عشاء تک سناتے تھے۔ بعد عشاء دو حافظ اور سناتے تھے اس کے بعد ایک حافظ نصف شب تک اس کے بعد تہجد کی نماز میں دو۲ حافظ۔ غرضیکہ تمام رات اسی میں گذر جاتی۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ آپ بیتی نمبر ۶ صفحہ ۲۱۲ میں لکھا ہے کہ سخت ترین گرمی اور لُو کا زمانہ تھا، رمضان المبارک کا مہینہ تھا، حضرتؒ کی طبیعت ناساز چل رہی تھی پیچش کی شدید تکلیف تھی۔ حضرت نے کئی

روز تک دوا سے افطار پر قناعت کی کوئی غذا نہیں کھائی جمعہ کا دن آیا، مولوی عبداللہ جان وکیل بھی مدرسہ جمعہ پڑھنے آئے، انہوں نے دیکھا کہ چہرہ نہایت پژمردہ ہے اور ضعف ونقاہت کے آثار نمایاں ہیں وہ تو یہ حالت دیکھ کر ستون کے پیچھے ہو کر رونے لگے۔ مولانا حافظ عبداللطیف صاحب نے عرض کیا حضرت کا کئی روز سے فاقہ ہے، تکلیف زیادہ ہے، روزہ قضاء فرما دیتے آخر فقہاء نے رخصت لکھی ہی ہے، اور مولوی عبداللہ جان تو رو رہے ہیں۔ حضرت قدس سرہ کا چہرہ فوراً متغیر ہوگیا اور فرمایا کہ حافظ صاحب کیسی بات کہتے ہیں، ارے روزہ، اور پھر رمضان کا روزہ! پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں کہ مولوی عبداللہ جان جیسا کوہ وقار بھی متاثر ہو جائے۔

''اکابر کے رمضان'' میں لکھا ہے کہ حضرت خود تراویح پڑھایا کرتے تھے اور چونکہ جوانی میں یاد کیا تھا اور استغراق بھی ہوتا تھا اس لئے اٹکنے کی نوبت آتی تھی، مگر غلط پڑھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ دُور دُور سے لوگ سننے کے لئے آتے تھے۔ بعض لوگ اپنا اپنا قرآن مجید ختم کر کے شریکِ تراویح ہوتے۔ اخیر میں حضرت فرمایا کرتے تھے کہ رکوع کرتا ہوں تو خیال ہوتا ہے کہ دوسری رکعت میں کھڑا نہیں ہوا جائے گا۔ اور بیس رکعت اسی طرح پوری ہوتیں کہ ہر رکعت میں گرنے کا اندیشہ ہوتا، سجدہ سے اُٹھنا پہاڑ پر چڑھنے سے زیادہ مشکل ہوتا۔ صبح کو اشراق تک اوراد میں مشغول رہتے۔ اس کے بعد گیارہ بجے تک بذل، لکھواتے گیارہ بجے مکان پر تشریف لے جا کر تھوڑی دیر آرام فرماتے۔ ظہر کے بعد حافظ محمد حسین کو جو اسی واسطے اجراڑہ سے آتے اُن کو قرآن سناتے۔ عصر سے مغرب تک عام طور سے تسبیح پڑھتے۔ دو سال میرے والد صاحبؒ سے بھی دور کیا۔ مغرب کے بعد نفلوں میں سنانے کا پارہ پڑھتے۔ پھر مکان تشریف

لیجا کر مستورات سے بات کر کے آرام فرماتے۔ مدینہ منورہ میں زکریا کو فرما رکھا تھا کہ ۸ بجے عربی اُٹھا دیا کرو۔ لیکن جب بھی میرا جانا ہوا حضرت کو وضو کرتے پاتا۔ بذل ختم ہوجانے کے بعد بذل کا وقت بھی تلاوت اور وفاء الوفاء کے مطالعہ میں خرچ ہوتا۔

حضرت شیخ الہندؒ کا معمول پہلے آ چکا کہ ساری رات قرآن سننے میں خرچ ہوتی، حافظ بدلتے رہتے اور حضرت کھڑے سنتے رہتے۔

حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ

بڑے حضرت رائپوریؒ کے زمانہ میں (غیر منقسم ہندوستان میں) چار پانچ سو آدمی حضرت کی خدمت میں رمضان گذارنے آیا کرتے تھے مگر بات چیت کا کسی کو وقت نہیں ملتا تھا۔ صرف اتنا ہوتا تھا کہ جب حضرت حجرہ سے مسجد میں نماز کیلئے جاتے تو سب اپنی جگہ کھڑے ہوکر زیارت کر لیتے۔ البتہ تراویح کے بعد مخصوص خدام مولانا عبدالقادر صاحبؒ، مولانا اللہ بخش وغیرہ کو اتنی اجازت تھی کہ اتنے حضرت دو تین فنجان سادی چائے کی پئیں اتنی دیر وہ حضرت کے پاس بیٹھے رہیں یا کوئی مختصر سی بات کر لیں۔ ایک دفعہ حقیقت محمدیہؐ پر تقریر شروع کی تو کئی دن تک روزانہ دوڈھائی گھنٹے اس میں خرچ ہوتے رہے۔ ان حضرات کے معمولات کوئی لکھوائے تو کہاں تک لکھوائے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات تو بہت تفصیل سے ''اکابر کے رمضان'' میں لکھوا چکا ہوں۔ اس ناکارہ نے اپنی گستاخانہ عادت سے ایک دفعہ یہ عرض کیا کہ حضرت اس کانگریس کے پیچھے ایسے پڑ گئے کہ آخر

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ نے بھی تو آپ کے ذمہ کچھ کام ڈالے تھے۔ مفصل قصہ تو میں کہیں لکھوا چکا ہوں۔ حضرت نہایت ساکت صامت سنتے رہے۔ اور جب میں اپنی بھڑاس نکال چکا تو حضرت نے نہایت سکون سے فرمایا کہ میں اس سے بالکل غافل نہیں، سلہٹ کا رمضان اسی واسطے گذارتا ہوں کہ ان یو پی والوں کو کچھ کرنا تو ہے نہیں وہاں بڑا سکون رہتا ہے۔ نہ رمضان میں کوئی اخبار آتا ہے۔ نہ کوئی سیاسی گفتگو ہوتی ہے۔ اِس کو ''اکابر کے رمضان'' میں تفصیل سے لکھوا چکا ہوں۔ اس کے بعد سے حضرتؒ کا مستقل یہ معمول بن گیا تھا کہ حضرت کی خدمت میں جب مخصوص لوگوں کے خطوط آتے جن میں مجاہدات اور ذکر و شغل کی تفصیل ہوتی تو ان کو حضرت اپنے سفری بیگ میں رکھ لیتے اور جب سہارنپور تشریف لاتے تو وہ خطوط میرے حوالہ کرتے کہ ان کو پڑھ لو۔ میں ان کو پڑھ کر حیرت میں رہ جاتا کہ بعض خدام کے روزانہ سوالاکھ تک اسم ذات کا ذکر ہوتا اور بڑے بڑے مجاہدے ہوتے۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ اخیر میں تو بہت بیمار رہے، مگر اس میں بھی حجرے کے اندر زیادہ تر ساکت رہا کرتے تھے، میں ''اکابر کے رمضان'' میں ایک واقعہ لکھوا چکا ہوں۔ میرا معمول یہ تھا کہ ظہر کے بعد اپنا سپارہ سنا کر بہٹ ہاؤس سہارنپور میں حاضر ہو جاتا اور بھائی الطاف نے حضرت کے کمرہ میں میری ایک جگہ معتکف کی طرح بنا رکھی تھی، میں چپکے سے جا کر اُس میں بیٹھ جاتا تھا اور خدام کو سختی سے منع کر رکھا تھا کہ میرے آنے کی اطلاع نہ کی جائے۔ میں ایک دن حاضر ہوا تو حضرت دوا نوش فرما رہے تھے۔ میں اپنے معتکف میں بیٹھ گیا۔ اُس دن عصر تک اس قدر انوار کا ظہور رہا کہ میں اُسی میں گم ہو گیا کہ جن کے افطار میں بھی یہ انوار ہوں اُن کے روزوں کا کیا پوچھنا۔

ان حضرات اکابر کے رمضان مین مستقل رسالہ لکھوا چکا ہوں، جسے دیکھنا ہو وہ ''اکابر کا رمضان'' دیکھ لے۔

☆☆☆

حج کے متعلق ایک مقولہ تو میں حضرت مدنی رحمۃُ اللہ علیہ کا لکھوا چکا ہوں کہ نویں تاریخ کو تشریف لائے، مجھے معلوم تھا کہ روزہ ہے اس لئے کھانے پینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا، میں نے عطر کی شیشی پیش کی لگانے کے واسطے حضرت نے بہت آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ آج عشاق خوشبو سے محروم ہیں۔ پھر لگا لیا۔

امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر حضرات اکابر علماء دیوبند رحمۃ اللہ علیہ

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کو نہایت عسرت کے زمانہ میں حجاز حاضری کا جذبہ پیدا ہوا، پیسہ پاس نہیں تھا، مگر منجانب اللہ یہ صورت پیدا ہوئی کہ ڈپٹی عبدالحق صاحب رامپوری حج کو تشریف لے گئے اور اپنے ساتھ بہت بڑا مجمع لے گئے اور ساتھ ہی خیال ہوا کہ حضرت حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری اور حضرت گنگوہیؒ کو بھی ساتھ لیتے جائیں۔ قصہ بہت طویل ہے اور تذکرۃ الرشید میں موجود ہے۔ مولانا ابوالنصر صاحب گھر میں جو کچھ تھا فروخت کر کے مع اہلیہ کے ساتھ ہولئے۔ اُس وقت کا سفر آجکل کے سفر کا موازنہ نہیں کر سکتا، پہلے چھکڑوں میں بندرگاہ تک اور پھر کشتیوں میں جنہیں بغلہ کہتے تھے مہینوں کا سفر ہوتا تھا، جسے بڑی مشقت سے عبور کیا جاتا تھا، کئی مہینے سفر میں لگتے تھے اور بندرگاہ سے بھی مال کے جہازوں میں جانا ہوتا تھا جو ہر بندرگاہ سے سامان لیتا تھا۔

ان جہازوں میں بمبئی سے جدہ تک کا سفر عموماً تین چار مہینے میں ہوتا تھا۔ غرض اس کی تفصیل اور مشقتیں ''تذکرۃ الرشید'' میں تفصیل سے لکھی ہیں۔ ۱۲۸۰ھ میں یہ حضرت کا پہلا سفر حج تھا۔ اسی میں اتفاق سے طوفان آ گیا مگر حضرت پر نہایت سکون و وقار تھا۔ دوسرا سفر حج ۱۲۹۴ھ میں ہوا جس وقت ترکی اور رُوس کی لڑائی ہو رہی تھی۔ حضرت کے سفر کا سن کر اور بھی بہت سے علماء ساتھ ہو گئے اور لوگوں میں یہ شہرت بھی حسب دستور پھیل گئی کہ حضرت حج کے بہانہ سے رُوم کی جنگ میں شرکت کے لئے جا رہے ہیں۔ اور ہندوستان کے یہ چیدہ حضرات، حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد مظہر صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، مولانا رفیع الدین صاحبؒ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ وغیرہم سو سے زیادہ ساتھ ہو گئے۔ اگرچہ ریل اور جہاز جاری ہو گئے تھے مگر اس میں بھی کئی کئی دفعہ بدلنا پڑتا تھا۔ حضرت نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ میں کشف و کرامات کا تذکرہ ہوتا اور حضرت گنگوہیؒ ساکت و صامت بیٹھے رہتے۔ ان دونوں کو تو لوگ بزرگِ کامل سمجھتے اور حضرت گنگوہیؒ کو صرف مولوی، البتہ مسائل سے زیادہ واقف، ایک دفعہ مولانا نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں مولانا رشید احمد صاحب کا پوچھتے ہو، سب کچھ بیٹے بیٹھے ہیں مگر کیا ممکن کہ ذرّہ برابر ظاہر ہو جائے یہ ہمارے ہی ظروف ہیں کہ ایک بات بھی ضبط نہیں کر سکتے۔ نماز کا اہتمام اس سفر میں پہلے کی طرح بہت رہا۔ نماز اکثر مولانا گنگوہیؒ یا مولانا یعقوب صاحبؒ پڑھاتے تھے۔ اس سفر میں کرامتیں تو بہت ظاہر ہوئیں مگر ایک کو ذکر کرتا ہوں۔

صبح کی نماز کا وقت تھا، حضرت گنگوہیؒ نہایت اطمینان سے اُترے وضوء کیا سنتیں پڑھیں اور نہایت اطمینان سے نماز پڑھائی۔ گاڑی نے سیٹی دینی

شروع کی اور جلد باز لوگ نیت توڑ توڑ کر بھاگ گئے، مگر حضرت اسی وقار سے نماز پوری کرتے رہے اور جب نماز پڑھ لی اور دُعاء مانگ کر ریل پر سوار ہو گئے تب گاڑی چلی۔ اس قسم کے واقعات میرے اکابر کے ساتھ بہت پیش آئے۔ ہر چند گاڑی سیٹی پر سیٹی دیتی رہی مگر آگے نہ چل سکی۔ بمبئی پہنچ کر جہاز کا ذکر نہیں بائیس دن تک ٹھہرنا پڑا۔ ایک دن حضرت مولانا محمد یعقوبؒ صاحب نے کہا کہ حضرت نانوتویؒ کے کچھ رفقاء آنے والے ہیں جتنی دیر میں وہ نہ آجائیں اتنے دیر تک جہاز نہ آئے نہ جائے۔ اور جب حضرت کے رفقاء آگئے اُسی دن جہاز آگیا اور حاجی قاسم نے اُسی دن ٹکٹ کھولدیا۔ اور بھی بہت سے واقعات پیش آئے جن کی تفصیل ''تذکرۃ الرشید'' میں ہے۔

حضرت قدس سرہ کا تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں ہوا، اور یہ آخری حج تھا اُس وقت بہت تنگ وقت رہا گیا تھا، چودہ دن حج میں باقی رہ گئے تھے اس لئے لوگوں نے ٹکٹ لینے سے سختی سے منع کر دیا کہ صرف چودہ دن حج میں باقی ہیں جس میں دس دن کامران کے قرنطینہ کے ہیں، مگر حضرت نے فرمادیا کہ ٹکٹ لے لو حج ضرور ملے گا۔ بہت سے لوگ تو رہ گئے اور بہت سے لوگوں نے ٹکٹ لے لیا اور جدہ پہنچ کر ہر چند اس جہاز کو واپس کرنا چاہا مگر جہاز بندرگاہ تک پہنچ گیا۔ اور واپسی میں جہاز کو کامران میں بجائے دس دن کے بیس دن کا قرنطینہ کرنا پڑا مگر حضرت کو حج مل گیا۔ حضرت نانوتویؒ کے تین حج ہوئے۔ پہلا رُوپوشی کے زمانہ میں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے ہیں کہ جب حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے تو احقر کو بھی یہی سُوجھی کہ تو بھی چل۔ اور مولانا محمد قاسم صاحب کو بھی والدین نے خوشی سے اجازت دیدی۔ احقر بے سامان تھا، قلیل سازادِ راہ تھا مگر مولوی صاحب کی بدولت وہ سب راہ بخیر وخوبی طے

ہوئی۔ ہر چند مولانا بھی بے سامان تھے مگر بدولتِ توکل سب راہ بخیر و خوبی پوری ہوئی اور سب کام بخیر انجام ہوئے۔ کشتیوں کی راہ پنجاب سے ہو کر سندھ کی طرف کو گئے۔ کراچی سے جہاز میں بیٹھے۔ جمادی الثانیہ ۱۲۷۷ھ میں روانہ ہوئے اور آخری ذی قعدہ میں مکہ مکرمہ پہنچے۔ بعد حج مدینہ شریف روانہ ہوئے۔ اوّل صفر مراجعت کی، اسی مہینہ کے آخر میں جہاز میں بیٹھے، ربیع الاوّل کے آخر میں بمبئی آئے، جمادی الثانیہ تک وطن پہنچے۔

۱۲۸۵ھ میں مولانا کو پھر حج کی سُوجھی۔ چند رفقاء کو ساتھ لے کر حج کر آئے۔ پھر ۱۲۹۴ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب نے حج کا ارادہ کیا۔ احقر بھی تیار ہوا اور چلتے ہوئے مولانا محمد قاسم صاحب کو بھی ساتھ لے ہی لیا۔ اور مولانا کے ساتھ کتنے ہی معتقد اور خادم آپ کے روانہ ہوئے۔ شوال ۱۲۹۴ھ میں روانہ ہوئے اور ربیع الاوّل ۱۲۹۵ھ کے شروع میں اپنے وطن واپس آئے۔ اس سفر میں تمام قافلہ علماء کا تھا۔ اٹھارہ بیس مولوی فاضل ساتھ تھے اور عجب لطف کا مجمع تھا حضرت کی زیارت سے اور ان متبرک مکانوں کی زیادت سے مشرف ہو کر جب واپس ہوئے جدہ پہنچ کر مولانا کو بخار ہو گیا یہ خیال ہوا کہ جدائی ایسے بزرگ اور بزرگ مکانوں اور پیادہ پا زیادہ چلنے کے سبب سے ہے، اور کچھ پہلے حج سے بھی طبیعت ناساز تھی۔ جدہ پہنچتے ہی جہاز پر سوار ہو گئے۔ اس جہاز کا لنگر اُٹھنے والا تھا اور دیگر جہازوں کی خبر عشرہ بلکہ دو ہفتے تک کی تھی، اِس لئے یہ خیال کیا کہ پندرہ روز میں بمبئی جا پہنچیں گے اور اتنی تکلیف اُٹھالیں گے۔ واقعی اس جہاز میں اتنی ہی تکلیف ہوئی جتنی جاتے دفعہ جہاز میں آسائش و راحت پائی تھی۔ دو روز جہاز پر چڑھے ہوئے ہوئے تھے کہ مولانا کو دورہ صفراء معمولی ہوا اور بخار بھی۔ وہاں نہ جگہ راحت کی نہ دوا اور نہ

کچھ تدبیر۔ مرض کی شدت ہوئی، ایک دن یہ نوبت ہوئی کہ ہم سب مایوس ہو گئے، اور جہاز میں وباء تھی، ہر روز ایک دو آدمی انتقال کرتے تھے۔ عدن پہنچے، وہاں قرنطینہ ہوگیا۔ یعنی بسبب مرض نہ جہاز کے آدمی کنارہ پر اُتر سکے اور نہ شہر کے آدمی جہاز پر آ سکے۔ اس کے بعد پھر مکلہ میں قدرے قیام کیا۔ وہاں سے البتہ نیبو بکنے آئے وہ لئے۔ تربوز اور گلاب اور بعض ادویہ جہاز میں مل گئی تھی۔ جہاز کے ڈاکٹر نے کونین دی اور مرغ کا شوربہ غذا کو کہا وہاں مرغ کہاں میسر تھا، آخر مرغ بھی اپنے پاس سے دیا۔ مولانا کو دورہ میں غذا سے نفرت مطلق ہو جاتی تھی، اب کچھ رغبت شروع ہوئی۔ بمبئی ایسے پہنچے کہ بیٹھنے کی طاقت دشواری سے تھی۔ دو تین روز ٹھہر کر وطن کو روانہ ہوئے۔ ہر چند موسم سرما تھا مگر جبل پور کے میدانوں میں دوپہر کو لو چلنے لگی اور مولانا کی طبیعت بگڑی، خیر الحمدللہ اس وقت نارنگی، نیبو یہ چیزیں پاس تھیں، کھلائیں، پانی پلایا، وطن پہنچنے کے بعد مرض رفع ہوا۔ گو نہ طاقت آئی مگر کھانسی ٹھہر گئی اور کبھی کبھی دورہ سانس کا ہوتا۔ زیادہ بولنا، دیر تک کچھ فرمانا مشکل ہوگیا۔ پھر اس میں بھی کسی قدر تخفیف ہوئی اسی شعبان میں رُڑکی سے خبر آئی کہ پنڈت دیانند وہاں آیا ہے اور مسلمانوں کے مذہب پر کچھ اعتراض مشتہر کئے ہیں، اہل رُڑکی مولانا کو مُصِر ہوئے کہ آپ تشریف لائیں۔ مولانا باوجود ضعف اور مرض کے وہاں تشریف لے گئے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الہندؒ کے دو حج ہیں۔ پہلا ۱۲۹۴ھ میں مشائخ کبار کے ساتھ اُس کی رونق کا تو کیا پوچھنا۔ ہر اسٹیشن پر مجمع استقبال کرتا۔ اسی سفر میں حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحبؒ سے اجازتِ حدیث بھی

حاصل ہوئی۔ واپسی میں ایک ماہ مکہ مکرمہ قیام رہا اور اس میں حضرت نانوتویؒ کی درخواست پر حضرت حاجی صاحبؒ نے نہ صرف بیعت فرمائی بلکہ ساتھ ساتھ اجازت بھی فرمائی۔ حضرت شیخ الہندؒ حضرت نانوتویؒ کی بیماری میں بہت مستعدی سے خدمت کرتے رہے اور بمبئی سے چل کر پہلے حضرت اُستاد کو نانوتہ پہنچا کر پھر دیوبند تشریف لائے۔ ۱۳۰۸ھ میں بھی حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا احمد صاحب اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے ساتھ سفر حج کا ارادہ فرمایا مگر حضرت گنگوہیؒ نے اجازت نہ دی۔ ۱۳۳۳ھ میں دوسرا حج کیا وہ معرکۃ الآراء حج ہے جس کی تفاصیل بہت سے رسالوں میں آ چکی ہیں۔ اسی میں جمال پاشا اور انور پاشا سے ملاقات ہوئی اور منتہاء پر مالٹا تشریف لے گئے۔ ارادے جانے کیا کیا تھے مگر مقدرات کے سامنے سب لاچار، اس سفر میں حضرت سہارنپوریؒ بھی حضرت کے جہاز میں تو نہیں مگر اسی سال تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ الہندؒ اسیر بنا کر مالٹا بھیج دیئے گئے۔ یہ میں پہلے بھی لکھوا چکا ہوں کہ میرے اکابر کے یہاں ابتدائی فتوحات ہوئیں ان فتوحات میں جو خفیہ اعانتیں ہوتی تھیں وہ اجمالاً تو سب کو معلوم ہیں اور خوب ہوتی تھیں لیکن

''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است''

بعض اکابر کے یہاں تو فتوحات جتنی ہوتی تھیں وہ ہدایا عطایا میں زیادہ خرچ ہوتی تھیں۔ شاید پہلے آ چکا ہے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے یہاں فتوحات کا بہت زور تھا اور جب حضرت دوپہر کو یارات کو لیٹنے کا ارادہ فرماتے تو لوگ بجائے پیش کرنے کے سرہانے رکھ دیتے، اور حضرت دیکھ کر بہت ہی کرامت سے فرماتے کہ دیکھو بھائی کیا ہے اور جب کوئی خادم بتاتا کہ اتنے ہیں تو اس سے فرما دیتے کہ اتنے فلانے کو دے آؤ اور اتنے فلانے کو۔ اور

شام کو بھی یہی پیش آتا۔ اور خدام کو، اقرباء کو، مہمانوں کو ساتھ کے ساتھ تقسیم فرما دیا کرتے۔ میرے حضرت نوراللہ مرقدہ کے یہاں حج کے زور بہت تھا۔ جب کہیں سے معمولی رقم آجاتی تو وہ لوگوں کو دیدی جاتی، لیکن جب رقم زیادہ آجاتی تو معاً حج کا اشتیاق غالب ہو جاتا۔ حضرت ؒ نے سات حج کئے، پہلا حج ۱۲۹۳ھ میں جبکہ بھوپال ملازم ہوکر نئے نئے گئے تھے۔ حضرت کے پاس سامان سفر نہیں تھا۔ مگر اشتیاق بہت بڑھا ہوا تھا۔ وہاں کا قاعدہ یہ تھا کہ جو ملازم حج کو جائے اُس کو حج کے زمانہ کی رخصت بلاوضع اور ان چند ماہِ سفر کی تنخواہ پیشگی دی جاتی تھی۔ حضرت کی یہ ملازمت سرکاری نہیں تھی، مگر رئیس نے تو پورے قاعدہ کا تحمل نہیں کیا، کچھ تنخواہ پیشگی دیکر رخصت منظور کرلی۔ اتنے حضرت انبیٹہ پہنچے، وہاں جا کر دیکھا سب عزیز جاچکے۔ تنہائی، ناتجربہ کاری اور طوالت سفر آپ کو پریشان ضرور کرتی تھی مگر آپ کا شوق اور آپ کا توکل آپ کے قدم کو آگے بڑھا رہا تھا، اس لئے آپ نے ہمت نہ ہاری۔ آپ اپنے مرشد اور والدین سے اجازت لے کر دو سالہ لڑکے اور سہ ماہ بچی کو اللہ کے سپرد کر کے وطن سے تنہا روانہ ہو گئے۔ بمبئی پہنچ کر معلوم ہوا کہ سارے رفقاء پہلے جہاز سے روانہ ہو گئے آپ تن تنہا دوسرے جہاز سے ٹکٹ لیکر روانہ ہوئے۔ اپنے اس سفر کا آپ نے ایک بار خود تذکرہ فرمایا کہ جہاز بندرگاہ سے چلا تو مجھے دوران سر شروع ہوا اور پورے تین دن چکر اور قے میں گذر گئے کہ کھانے کی خواہش بھی نہ ہوئی، مگر چوتھے دن جب طبیعت کو ذرا سکون ہوا تو بھوک معلوم ہوئی اور میں نے ایک دیگچی میں مونگ کی دال نکال کر کھچڑی پکنے کے لئے چولھے پر رکھی، پکانے کا کبھی اتفاق نہ ہوا تھا۔ دیکھا تو پانی اُوپر آ گیا اور دال گل گئی مگر چاول جوں کے توں ہیں۔ نمک اس قدر تیز کہ منہ تک نہ لیجائی جا سکے۔ خاموش ہوکر

اپنی جگہ آ بیٹھا اور دیگچی کو ایک جگہ رکھدیا۔ بھوپال کے قریب کے ایک نواب صاحب بھی اسی جہاز میں حج کو جارہے تھے۔ میری عمر کا اُس وقت چوبیسواں سال اور شباب کا زمانہ تھا۔ اتفاق سے اس طرف ان کا گذر ہوا اور مجھ پر نظر پڑی تو پوچھنے لگے۔ ''صاحبزادے تمہارے ساتھ کون ہے؟'' میں نے برجستہ عرض کیا کہ ''اللہ'' یہ سن کر وہ خاموش چلے گئے اور اپنی جگہ پہنچ کر مجھ بلایا۔ میں گیا تو انہوں نے میری دعوت کی اور فرمایا کہ صاحبزادے تم کھانا ہمارے ہی ساتھ کھایا کرو۔ میں نے کہا کہ یوں تو کھاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے، ہاں کوئی خدمت مجھ سے لے لیجئے تو انکار نہیں۔ وہ ذرا سوچے اور پھر مجھ سے پوچھا کہ تم کو لکھنا آتا ہے؟ میں نے کہا آتا ہے اور لکھ کر اُن کے سامنے پیش کیا۔ میرا خط دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے اور کسی کتاب کا مسودہ اُن کے ساتھ تھا اُس کو خوشخط نقل کرنے کے لئے میرے حوالہ کر دیا۔ میں نے روزانہ کی کارگزاری صفحات کی تعداد میں مقرر کر لی اور کھانا اُن کے ساتھ کھانے لگا۔ خالی بیٹھنے کا مشغلہ بھی مجھے ہاتھ آ گیا اور پکانے کی مصیبت سے بھی مجھ کو نجات مل گئی۔ چند روز بعد جدہ کا بندر نظر آیا اور میں نے نواب صاحب سے کہا کہ یہاں کشتیوں کے ملاّح اسباب کی چھین چھپٹ میں بہت پریشان کرتے ہیں اور اسباب ضائع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں کا انتظام میرے سپرد کر دیجئے چنانچہ اوّل میں نے سارے اسباب کو یکجا کرایا اور ملازمین کو اُس کے چار طرف کھڑا کر دیا کہ کسی کو ہاتھ نہ لگانے دیں۔ میں نے اپنا مختصر سامان بھی اسی میں شامل کر دیا اور چونکہ مجھے عربی آتی تھی اس لئے ملاحوں کے جہاز پر حملہ کرتے وقت میں نے علیحدہ جا کر ایک ملاح سے عربی میں باتیں کر کے پوری کشتی کا کرایہ طے کر لیا اور اُس کو اسباب دکھا کر ملازمین سے جو اسباب کا احاطہ کئے کھڑے تھے کہہ دیا کہ عدد

شمار کر کے اس کو دیدو اور اس کے علاوہ کسی کو پاس نہ آنے دو۔ چنانچہ اوّل سارا اسباب بحفاظت تمام کشتی میں پہنچ گیا اور پھر ہم سب اطمینان سے جہاز سے اُتر کر کشتی میں آ بیٹھے۔ نواب صاحب میرے حسن انتظام پر بہت مسرور اور ممنون ہوئے، کیونکہ دوسرے حجاج کی پریشانیاں اور نقصان دیکھ رہے تھے، چہار طرف گمشدگی اسباب کا شور مچ رہا ہے اور مسافر بلبلا رہے تھے۔ جدہ شہر میں داخل ہو کر میں نے اصل مسودہ اور اُس کی خوشخط نقل نواب صاحب کو پیش کر کے اجازت چاہی کہ مجھے آزاد فرما دیں پر نواب صاحب نے اصرار کیا کہ میں تم کو واپسی وطن تک علیحدہ نہیں کر سکتا۔ مگر میں نے کہا کہ یہاں میں نوکری کے لئے نہیں آیا، اللہ تعالیٰ کے گھر حاضر ہو کر بھی بندگانِ خدا کا غلام بنا رہا تو حاضری کا لُطف کیا ملا۔ چونکہ دروازہ پر پہنچ گیا ہوں اِس لئے اب تو کوئی صورت نہیں کہ تعمیل ارشاد کرسکوں۔

غرض نواب صاحب سے رخصت ہو کر اُونٹ پر تنہا سوار ہو کر چل دیا۔ اور مکہ مکرمہ میں تو گویا میرا گھر تھا کہ اعلیٰ حضرت حاجی صاحبؒ تشریف رکھتے تھے۔ اس لئے سیدھا حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور دونوں وقت پکی پکائی کھانے لگا۔ سارا وقت حرم شریف میں اعلیٰ حضرت کے پاس گزارتا اور اطمینان کے ساتھ طواف اور نماز میں مشغول رہتا۔

حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ حاضری کا جب وقت آیا اور چار طرف یہ افواہ پھیلی کہ راستہ مامون نہیں، جان و مال ہر قسم کا خطرہ ہے تو اعلیٰ حضرت حاجی حضرتؒ نے فرمایا کہ مولوی خلیل احمد کہو کیا ارادہ ہے؟ سنتا ہوں کہ مدینہ منورہ کے راستہ میں امن نہیں ہے اس لئے حجاج بکثرت وطن واپس جارہے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میرا قصد تو مدینہ منورہ کا پختہ ہے کہ موت کیلئے

جو وقت مقرر ہو چکا ہے وہ کہیں بھی ٹل نہیں سکتا اور اس راستہ میں آ جائے تو زہے نصیب کہ مسلمان کو اور چاہئے کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اُس نے یہاں تک پہنچا دیا، اب اگر موت کے ڈر سے مدینہ منور کا سفر چھوڑ وں تو مجھ سے زیادہ بدنصیب کون ہوگا؟ یہ سن کر اعلیٰ حضرتؒ کا چہرہ خوشی کے مارے دمکنے لگا اور فرمایا کہ بس بس تمہارے لئے یہ رائے ہے کہ ضرور جاؤ اور انشاء اللہ تعالیٰ پہنچو گے۔ چنانچہ میں حضرت سے رخصت ہو کر مدینہ منورہ روانہ ہوا اور جس طمانیت اور راحت کے ساتھ پہنچا وہ میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ تقریباً دو ہفتے حاضرِ آستانہ رہا اور پھر بخیریت تمام وطن پہنچ کر حضرت امام ربانی کا قدم بوس ہوا۔

دوسرے سال جب اکابر کا مجمع جا رہا تھا حضرتؒ نے اپنے اشتیاق کی وجہ سے جانا چاہا مگر حضرت گنگوہیؒ نے اجازت نہ دی۔

دوسرا حج ۱۲۹۷ھ میں، جس کی صورت یہ ہوئی کہ مولوی شمس الدین صاحب جج بہاولپور نے حج کا ارادہ فرمایا اور اپنے ساتھ آپ کو بھی لیجانا چاہا کہ ان کے بچوں کی تعلیم بھی آپ کے متعلق تھی اور آپ کا قیام بھی ان کے ہی مکان پر تھا جس کی وجہ سے ان کو آپ کے ساتھ ایک خاص اُنسیت تھی۔ اور آپ سے بہتر رفیق جو باقاعدہ ادائے مناسک کرا دے دوسرا مل بھی نہیں سکتا تھا۔ ادھر آپ کے کانوں میں یہ خبر پہنچی کہ حضرت گنگوہی قدس سرہ اور مولانا محمد یعقوب صاحب اس سال پھر حج کا ارادہ فرما رہے ہیں۔ چونکہ پہلے سفر میں حرمان ہمرکابی کا قلق آپ کے دل پر تھا اس لئے آپ کو مولوی شمس الدین صاحب کی یہ درخواست نعمت الٰہیہ معلوم ہوئی اور آپ نے اپنا شوق اور مفصل حال امامِ ربانی کو لکھ کر حکم قطعی طلب کیا، جس کے جواب میں حضرت کا اجازت نامہ ملا اور ساتھ ہی یہ لکھا کہ کچھ سفر خرچ اپنے ساتھ بھی رکھنا چاہئے کہ اگر خدا

نخواستہ کوئی صورت دیگر پیش آجائے تو احتیاج نہ پڑے۔ بارہا ایسا ہوا کہ کفیل حجاج فوت ہوگیا یا مزاج کی مخالفت پیش آئی جس سے افتراق ہوا تو ایسی صورت میں بہت پریشانی ہوتی ہے۔ اور یہ سب تدبیر ظاہر ہے کہ جس کا استعمال ممنوع نہیں ورنہ ہوتا وہی ہے جو رضائے حق تعالیٰ شانہٗ ہے۔ اب بندہ کا حال سنو کہ فرض نہیں کہ خواہ مخواہ بے کلی ہوئے۔ بھلے کام کی دل میں خواہش ہے لیکن ضعفِ جسم سے ضعف ہمت بھی ہے، اس واسطے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اگر اس وقت پر ہمت ہوجائے اور سامان بھی مقدر ہو تو کیا عجیب ہے ورنہ کچھ صورت نہیں لہٰذا اس وقت تک عزم نہیں غلط افواہ مشہور ہے۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۱۲۱)

اسی سفر میں جب حضرت سہارنپوریؒ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحب کو لکھا کہ مولوی خلیل احمد کو اجازت فرما دیں۔ حضرت اعلیٰ مولانا کی حالت دیکھ کر بہت مسرور ہوئے۔ محرم ۱۲۹۷ھ میں خلافت نامہ مزین بمہر کر کے عطاء فرمایا اور کمال مسرت سے اپنی دستارِ مبارکہ سر سے اُتار کر مولانا کے سر پر رکھدی۔ مولانا ممدوح نے دونوں عطیے حضرت امام ربانی کے حضور میں پیش کر دیئے اور عرض کیا بندہ تو اس لائق نہیں، یہ حضور کی ذرّہ نوازی ہے۔ حضرت نے فرمایا تم کو مبارک ہو۔ اس کے بعد خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار آپ کو خود عطاء فرمایا۔ (تذکرہ الرشید ص ۱۵۴)

یہ دستار حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے میرے والد صاحب کو یہ کہہ کر دی تھی کہ ''تم اس کے مستحق ہو اور میں آج تک اس کا محافظ و امین تھا الحمد للہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بارِ امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اُس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا۔''

تیسرا حج ۱۳۲۳ھ میں ہوا جس میں اہلیہ ساتھ تھیں کہ ان کے پاس پہلے زوج کے ترکہ کی زمین تھی، اُس کو فروخت کیا اور صاحبزادی بھی اپنے زیور فروخت کر کے ساتھ ہو گئیں۔ آخر شوال میں تشریف لے گئے اور بعد فراغ حج ۲۳ دن مدینہ منورہ قیام کر کے واپس تشریف لے آئے۔ (یہ دراصل حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے صدمہ کو کم کرنے کیلئے ہوا تھا)

چوتھا حج ۱۳۲۸ھ میں حضرت رائپوریؒ کو جبکہ وہ حج کو روانہ ہو رہے تھے دہلی تک مشایعت کے لئے تشریف لے گئے اور شاہ زاہد حسن صاحب نے اصرار کیا کہ اگر حضرت تشریف لے چلیں تو میں بھی ہمرکاب ہو جاؤں، اُن کی معیت میں تشریف لے گئے۔ اہلیہ محترمہ کو مکان پر چھوڑ کر گئے اور مولوی یحیٰ صاحب کو اپنی جگہ پر تدریس کے لئے مقرر کر گئے۔ میرے والد صاحب نے اصالۃً کبھی مدرسہ سے تنخواہ نہیں لی۔ البتہ ایام میں حضرت کی تنخواہ وصول کر کے اماں جی کو پہنچا آتے تھے۔ ۶ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچے۔ ۱۰ محرم کو براہ رابغ مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور ۲۲ دن قیام فرما کر آخر صفر میں سہارنپور تشریف لے آئے۔

پانچواں حج ۱۳۳۳ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ سفر ہوا۔ جہاز تو ایک نہیں ہوا مگر سفر مشترک نیت سے تھا۔ وسطِ شوال میں روانہ ہو کر ۲۲ ذیقعدہ کو مکہ مکرمہ پہنچے اور بعد حج ۷ محرم کو مدینہ منورہ پہنچے۔ ۹ ماہ بعد شوال ۱۳۳۴ھ میں واپس تشریف لائے اور بمبئی اُترتے ہی نینی جیل میں بھیج دیئے گئے اور تحقیقات ہوتی رہیں۔

چھٹا حج ۱۳۳۸ھ میں ہوا۔ شعبان میں روانہ ہوئے۔ اور ہر سفر میں یہ شہرت ہو جاتی کہ حضرت ہجرت کر رہے ہیں، اس سفر میں بھی بہت شہرت

ہوئی۔ زکریا بھی اس میں ساتھ تھا۔ حضرت کا ارادہ تو مدینہ منورہ طویل قیام کا تھا، مگر مکہ پہنچتے ہی مولانا محبّ الدین صاحب خلیفہ حضرت حاجی صاحبؒ جن سے حضرت کے بہت مراسم تھے اور صاحب کشف بزرگ تھے حضرت سے معانقہ کرتے ہی کہنے لگے۔ ''آپ کہاں آگئے، ہمارے یہاں تو قیامت صغرا آنے کو ہے۔'' مولانا نے بہت اصرار کیا فوراً لوٹ جاؤ، مگر حضرت نے یہ فرمایا کہ ''میرے ساتھ رفقاء ہیں جن کا پہلا حج ہے، اب آ گیا ہوں تو حج سے پہلے کیا جاؤں۔'' ہم خدام کو حضرت نے شوال میں مدینہ منورہ روانہ کر دیا۔ بہت ہی بدامنی کا زمانہ تھا، عام راستے نہایت مخدوش تھے، ہم لوگ جبل غائر پر ہو کر گزرے کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے موقع پر اسی سے گئے تھے۔ تین دن قافلہ کو ٹھہرنے کی اجازت تھی۔ اس سے زیادہ کوئی ٹھہرے تو اپنے بدو کو راضی کرے اور ایک گنی روزانہ اُس کو ادا کرے۔ مگر اللہ کا احسان ہے کہ ہم لوگوں کا ایک اُونٹ راستہ میں مر گیا، جمال تو کہتا کہ مجھے پیسے دو، اور ہم لوگوں کو چونکہ حضرت نے بدامنی کی وجہ سے آمدورفت کے پیسے اور جنس خرید کر دی تھی ہم لوگ اُس کے سر ہوتے کہ ہم بھوکے پڑے ہیں اور کوئی ساتھی جا کر حکومت میں بھی شکایت کر دیتا کہ ہم لوگ تین دن کا سامان لے کر آئے تھے وہ بھی کچھ منت کر لیتے۔ اور ایک ماہ تک اللہ کے فضل سے بغیر اشرفی کے دیئے رہے۔ بہت ہی عجیب اور پر لطف قصہ ہے۔ بعد حج اخیر محرم میں روانہ ہو کر صفر میں سہارنپور پہنچے۔

ساتواں حج ۱۳۴۴ھ میں، اس کے بعد حضرت کی واپسی ہند نہیں ہوئی حیدر آباد والوں کا اصرار تھا اس لئے حضرت نے وعدہ کر لیا تھا کہ حج کو جاتے ہوئے ایک ہفتہ کے لئے حیدر آباد اُتر جاؤں گا۔ حضرت اور زکریا حیدر آباد ہو

کر بمبئی پہنچے اور باقی سب رفقاء سہارنپور سے سیدھے بمبئی۔ حضرت تو اسکے بعد بقیع تشریف لے گئے اور بقیہ رفقاء متفرق اوقات میں واپس آتے گئے، اس اخیر سفر میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ بھی اخیر شعبان میں مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے۔ رسالہ بہت طویل ہوگیا، مگر حضرت مدنی نوراللہ مرقدہٗ کا ایک خط جو اس جگہ کے بہت مناسب ہے اُس کو لکھوانا ضروری سمجھتا ہوں۔ حضرتِ اقدس مدنی نوراللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

''محترما! جناب باری عزاسمہ، کی وہ صفات جو مقتضی معبودیت میں اُن کا مرجع دو باتوں کی طرف ہوتا ہے، اوّل بالکلیہ نفع وضرر، دوئم محبوبیت۔ اوّل کو جلال سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور ثانی کو جمال سے، مگر یہ تعبیر ناقص ہے۔ جلال محض مالکیت ضرر پر متفرع ہوتا ہے جس طرح جمال اسبابِ محبوبیت میں سے ایک سبب ہے وجوہ محبوبیت علاوہ جمال کے کمالِ قرب و احسان بھی ہیں۔ سبب اوّل یعنی مالکیت نفع وضرر کا اقتضاء معبودیت حدودِ عقل میں رہ کر ہونا ضروری ہے۔ اس معبودیت میں عابد کی ذاتی غرض چونکہ باعثِ عبادت ہوتی ہے یعنی طمع یا خوف یا دونوں، اس لئے یہ عبادت اس قدر کامل نہ ہوگی جس قدر وہ عبادت جس میں ارضائے معبودیت مقصود ہو۔ ظاہر ہے کہ محبوب کی جو کچھ طاعت وفرمانبرداری کی جاتی ہے اُس سے محض اُس کی

رضاء مطلوب ہوتی ہے لہٰذا ضروری تھا کہ دونوں قسموں کی عبادتیں دینِ کامل میں ملحوظ ہوں۔ قسم اوّل پر متفرّع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول نماز اور زکوٰۃ ہے اور قسم ثانی پر متفرّع ہونے والی عبادتوں میں اصل الاصول روزہ اور حج۔ روزہ محبوبیت کی منزل اور حج منزلِ ثانی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عاشق پر اوّلین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ میں ملحوظ رکھا گیا۔ دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام کا۔ اور آخر میں اعتکاف میں آ کر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کردیا، بحکم، **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** اور **من صام رمضان ايماناً** (الحدیث) اگر استعیاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم، **احيٰ ليله، ومن قام رمضان الخ** (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے۔ اور چونکہ کمال صومی کے لئے محض مامونات ثلاثہ کا جو کہ اصل الاصول ہیں ترک مطلوب نہیں، بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور مشتہیاتِ نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے **من لم يدع قول الزور** (الحدیث) اور **رب صائم ليس له من صومه الا الجوع** (الحدیث) اس کی شاہد عدل ہیں۔ جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزلِ عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہوگیا اس کے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا

جائے۔ یعنی کوچۂ محبوب اور اُس کے دار و دیار کی جبہ سائی کا فخر حاصل کیا جائے، اس لئے ایام صیام کے ختم ہوتے ہی ایام حج کی ابتداء ہوتی ہے جن کا اختتام ایام نحر (قربانی) پر ہے۔ کوچۂ محبوب کی طرف اس عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو معمولی طریقہ پر نہ ہوگا، اس کو سر کی خبر ہوگی نہ پیر کی، نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا، نہ لوگوں سے جھگڑا اور لڑنے کا ذکر فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، کہاں عشق اور کہاں آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں، کہاں قلبی اضطراب اور کہاں شہوت پرستی و آرام طلبی نہ سُرمہ کی فکر ہوگی، نہ خوشبو اور تیل کا دھیان۔ اس کو آبادی سے نفرت، جنگل اور جنگلی جانوروں سے اُلفت ہونی ضروری ہے۔ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُم حُرُمًا۔ سیر و شکار جو کہ کار بیکاراں ہے ایسے عشاق اور مضطر نفوس کے لئے بے حد نفرت کی چیز ہوگی۔ وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا اس کی تو دن رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اُس کے نام کو جپنا، اپنے تن بدن کو بھلا دینا۔ دوست احباب، عزیز و اقارب راحت و آرام کو ترک کر دینا۔ نہ خواب آنکھوں میں بھلی معلوم ہوگی نہ لذائذ اطعمہ، اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ والبسہ کا کا شوق ہوگا۔

یداری هواه ثم یکتم سره

ویخشع فی کل الامور و یخضع

وہ اس کی محبت خوش اسلوبی سے نباہتا رہتا ہے، پھر اس کے راز پر دہ پوشی کرتا رہتا ہے اور تمام حالات میں مطیع و فرمانبردار رہتا ہے۔ جوں جوں دیارِ محبوب اور ایام وصال کی قربت ہوتی جائے گی اُسی قدر ولولہ اور فریفتگی اور جوشِ جنوں میں ترقی ہوتی رہے گی۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک
آتش شوق تیز گردد

ان دنوں جوش جنوں ہے ترے دیوانے کو
لوگ ہر سُو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

خون دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو
یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

نوبہاراست جنون چاک گریباں مددے
آتش افتاد بجاں جنبشِ داماں مددے

قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رہے سہے میلے کچیلے کپڑے کو پھینک دیتے ہیں۔ اس وادیِ عشق میں گریبان و دامن سے کیا کام۔

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک
اس کو سیا، سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

دن رات محبوب کی رَٹ پپیہے کی طرح لگی ہوئی ہے (تلبیہ پڑھ رہے ہیں)۔

رٹ پھرے پیو پیو کنارے
ہمارے، پیا تو بدیس سدھارے
برہا بروگ سے تلپٹ جیو
اب جن بول پپیہا پیو

اگر غم ہے تو محبوب کا، اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پیو کی، اگر خیال ہے تو دلبر کا۔

عشق میں تیرے کوہِ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو
عیش و نشاطِ زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہنچتے ہیں تو اُس کے در و دیوار کے اِردگرد پوری فریفتگی کے ساتھ چکر لگاتے ہیں۔ چوکھٹ پر سر ہے تو کہیں دیواروں اور پتھروں پر لب۔

امر علی الدیار دیار لیلیٰ
اقبل ذالجدار و ذالجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیارا

(مجنوں کہتا ہے کہ میں لیلیٰ کے کوچوں پر گزرتا ہوں تو کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں اور کبھی اُس دیوار کو چُومتا ہوں اور میرے دل میں دراصل کوچے کے در و دیوار نے کوئی جگہ نہیں بنائی بلکہ اس گلی کے رہنے والے نے)

کسی نے اگر جھوٹی سی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلاں جگہ نمودار ہونے والا ہے تو بے سر و پیر ہو کر دوڑتے وہاں پہنچے،

نہ کانٹوں کا خیال ہے نہ راستہ کے پتھروں کا فکر ہے، نہ گڑھوں میں گرنے کا سوز ہے نہ پہاڑوں کی سختیوں کا ڈر ہے۔ مجنونِ بنی عامر کا سماں بندھا ہوا ہے۔ بدن میں اگر جوں ڈھیروں پڑی ہیں تو کیا پرواہ، اہلِ عقل اور اہلِ زمانہ اگر پھبکیاں اُڑاتے ہیں تو کیا شرم۔

جب پریت بھئی تو لاج کہاں　　سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے
دُکھ درد بڑھے تو کیا چنتا　　اور سُکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

اگر ناصح نادان معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جس طرح آگ پر پانی کی چھینٹیں اُس کو اور بھڑکا دیتی ہیں اُسی طرح آتش عشق اور بھڑک جاتی ہے۔ نادانِ ناصح کو پتھر مارتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں۔

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے

وبمهجتي يا عاذلي الملك الذي
اسخطت كل الناس في ارضائه

فومن احبّ لاعصينك في الهوىٰ
قسما به وبحسنه وبهائه

(اے ملامت گر میری جان اس بادشاہ پر قربان ہے کہ جس کے راضی رکھنے کی غرض سے میں نے تمام لوگوں کو ناخوش کر دیا ہے۔ اے ملامت گر میں محبوب کے حُسن و جمال کی قسم کھاتا ہوں محبت کے بارے میں ضرور تیری نافرمانی

کروں گا۔ (متنبی)

میرے محترم یہ تھوڑا سا خاکہ حج وعمرہ کا ہے، اگر دل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو تو زندگی ہیچ ہے، وہ انسان بھی انسان نہیں جس کے دل و دماغ، رُوح و اعضائے رئیسہ محبوب حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہے، یہاں عقل کے ہوش گُم ہیں۔ جس قدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی اور جس قدر بھی اضطراب و بے چینی ہوگی اُس قدر یہاں کمال شمار کیا جائے گا۔

موسیا آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جان ورد انا دیگر اند

کُفر کا فررا ودیں دیندارا　　ذرّہ دردت دلِ عطّار را

عقل کو حیات کے مقید ہونے والے عشاق آرام و راحت کے طلب گار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں۔

عشق چُوں خام است باشد بستۂ ناموس و ننگ

پختہ مغزانِ جنون را کے حیا زنجیر پا است

اس وادی میں قدم رکھنے والے کو سر فروشی اور ہر قسم کی تیاری کے لئے پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے، اور آرام و راحت، عزّت و جاہ کا خیال بھی اس راہ میں سخت ترین بلکہ بدترین بدنام کرنے والا گناہ ہے۔

ناز پرور وہ تنعّم نہ برد راہ بدوست

عاشقی شیوۂ رندانِ بلاکش باشد

یقیں می داں کہ آں شاہ نکونام

بدستِ　سر　بریدہ　می　دہد　جام

مولانائے محترم! اس وادی پُر خامد میں قدم رکھتے ہیں، پھر متلی کا، سر کے چکر کا، بیماری کا ضعف کا تکلیف کا عزت و جاہت کا فکر ہے افسوس ہے، مردانہ وار قدم بڑھایئے۔ اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھئے، اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانئے، پس پردہ طوطی صفت کون کرا رہا ہے۔ مجنوں کو لیلیٰ کے کاسہ توڑ دینے پر رقص ہوتا ہے جس سے وہ اپنے خاص تعلق کا اثبات کرتا ہے اور آپ اس سے جھجکتے ہیں۔ ''**کلاّ واللّٰہ کلاّ واللّٰہ اشدّ النّاس بلاءً الانبیآء ثم الامثل فا لامثل**'' قولِ صادق الامینؐ ہے۔

قیمة المرأة همته

بقدر الجد تکتسب المعالی　　ومن رام العلے سھر اللیالیٰ

باندازِ محنت بلند درجات حاصل ہو سکتے ہیں، جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ برابر راتوں کو جاگتا ہے۔ سوائے رضاءِ محبوبِ حقیقی اور کوئی دُھن نہ ہونی چاہیے۔

دُنیا　و　آخرت　راہگذار　حق　طلب　کُن

کہ　ایں　ہر　دو　لولیاں　رامن　خوب　می　شناسم

بجوش و خروش و ہیچ مفروش مجھے افسوس ہے کہ میں نے اپنی دیوانگی کی بَو میں آپ کا بہت وقت ضائع کیا، مگر کیا کروں کہ اہل چشت کا دریوزہ گر ہوں ان کی نسبت اپنا کھیل اور رنگ دکھلاتی ہے۔ اگر میری عرض غلط ہو تو پھاڑ کر پھینک دیجئے اور ان بزرگ حیدر آبادی کے کلمات کو تعویذ

جان بنایئے اور اگر اس میں کوئی جھلک صداقت اور واقعات کی معلوم ہو تو مولانا عبدالباری صاحب ندوی اور حکیم عبدالعلی صاحب کو بھی دکھلا دیجئے۔ غالبًا مناسب ہوگا کہ مکہ مکرمہ میں سیّد امین عاصم مرحوم کو اپنا مطوّف بنایئے، حضرتِ موصوف حضرت شیخ الہندؒ کے مطوّف تھے، اُن کا اگرچہ انتقال ہوگیا مگر انکی لڑکیاں اُن کے منصب پر قائم کی گئی ہیں اوران کے نواسے سیّد عقیل عطاس حجاج کی خدمت انجام دے رہے ہیں، حتی الوسع پوری خبر گیری کرتے ہیں، ان کا کارڈ اس میں موجود ہے اگر نامناسب نہ ہو تو میرا عریضہ بھی دیدیجئے۔ آپ سے لوگ بمبئی سے لکھنؤ سے درخواست مطوفی کریں گے مگر اکثر ان لوگوں سے تلخ تجربے حاصل ہوتے ہیں۔ مدینہ منوّرہ میں میرے دو۲ بھائی بڑے مولوی سیّد احمد صاحب اور چھوٹے محمود احمد ہیں اگر نامناسب نہ ہو تو ان سے بھی مل لیں۔ اگر کوئی خدمت درکار ہو تو انشاء اللہ وہ اپنی طاقت کے موافق اس میں پُورا حصہ لیں گے۔ مولانا شفیع الدین صاحب نگینوی مکہ معظمہ میں حضرت حاجی صاحبؒ کے خادم اور خلیفہ اور حضرت گنگوہیؒ کے حدیث میں شاگرد نہایت پاکیزہ شخص موجود ہیں، ان سے بھی مل لیں اور میرا اسلام عرض کردیں، دعا کی درخواست بھی ظاہر فرمادیں۔ کوشش ہونی چاہئے کہ دونوں مقدس مقامات اور رستہ میں غفلت میں وقت نہ گذرے،

خصوصاً عرفات کے دن بعد از زوال نہایت غنیمت ہے، اس کا ایک لحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہئے۔ اگر لوگوں کے بالخصوص وہاں کے سُکان اور حکام کی فرد گذاشتیں نظر پڑیں تو توجہ نہ کیجئے، اپنے کام سے کام رکھئے۔ اپنے اس نالائق و نابکار سگِ دُنیا وُ سیاہ خادم کو بھی دعواتِ صالحہ میں یاد رکھئے کیا عجب ہے کہ آپ حضرات کی دُعائیں فلاح ونجات کے اسباب بن جائیں، بہتر تو یہ تھا کہ کچھ دنوں پُوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کی جاتی تا کہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے۔ جہاں تک ہوسکے غفلت کو راہ نہ دیجئے اور ذکر میں مشغول رہئے۔

من نہ کردم شما حذر بکنید

میں انشاء اللہ شوال کی پانچ تک یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا، اور اگر منظورِ الٰہی ہے تو وحید بھی حج میں آپ کے ساتھ ہوگا۔ خداوند کریم سے دُعا ہے کہ آپ سب کو حقیقی نعمت حج و زیارت سے مالا مال کردے۔ آمین

والدہ ماجدہ اور متعلقین واحباب سے سلام مسنون عرض کر دیں۔

ننگ اکابر: حسین احمد غفرلہ،

از خلافت آفس سہلٹ ۹ رمضان المبارک ۱۳۴۷ء

☆☆☆

تقویٰ

ان سب ارکان کا مدار اور ملاک تقویٰ ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں بہت کثرت سے اس کا تقاضا اور اس کا حکم ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص آیا اور حضور ﷺ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیّت فرمائیے۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تقویٰ کو لازم پکڑو کیونکہ یہ ہر چیز کو جامع ہے۔ (درمنثور ص۹۶/۲)

دوسری روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں کہ وہ ہر چیز کی جڑ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ تم پر تقویٰ ظاہر اور باطن دونوں میں واجب ہے۔ (درمنثور ص۲۲۳/۲)

قرآن پاک میں ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ“

اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔“

نبی کریم ﷺ نے مدینہ پہنچ کر بنی سالم کے درمیان میں جو پہلا جمعہ پڑھایا اُس میں خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا کہ میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیّت کرتا ہوں، کیونکہ سب سے بہتر چیز جس کی مسلمان کسی مسلمان کو وصیت کرے یہ ہے کہ اُس کو آخرت کی ترغیب دلائے اور اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کا حکم کرے، نہ اس سے بہتر کوئی نصیحت ہے نہ اس سے بڑھ کر کوئی ذکر ہے ...... اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اس کے غصہ سے بچاتا ہے، اُس کی سزا اور ناراضگی سے بچاتا

ہے۔ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ چہروں کو منور کرتا ہے اور ربّ کی رضاء دلاتا ہے درجات کو بلند کرتا ہے۔ الخ　(حیاۃ الصحابہ ص ۳/۳۹۶)

اسی طرح جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تو حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ:

اے لوگو! مجھے تمہارا امیر بنایا گیا ہے، حالانکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں، لیکن قرآن اور سنت نے ہمیں یہی بتایا ہے کہ سب سے بڑی عقلمندی تقویٰ ہے اور سب سے زیادہ بے وقوفی فجور ہے۔ قرآن پاک اور احادیث میں لاتعداد ولاتحصیٰ تقویٰ کی تاکید ہے۔

اور اس بارے میں بھی میرے اکابر کا مقابلہ کوئی جماعت، کوئی فرد نہیں کرسکتا۔ بہت کثرت سے واقعات ہیں ان کا احصاء نہ ہوسکتا ہے نہ مقصود ہے۔ میرے اکابر کے بارے میں جس نے یہ اشعار کہے بہت مناسب کہے، مجھے بہت ہی پسند ہیں۔ میری ہر تصنیف میں ان کا ذکر آیا ہے۔

خدا یاد آوے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ظل رحمانی

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی

رہیں دُنیا میں اور دُنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی

مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بیتی نمبر۶ میں بہت سے واقعات ذکر کئے گئے ہیں۔ حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا تقویٰ بہت ضرب المثل ہے۔ طالب علمی کے زمانہ میں دہلی میں کبھی روٹی سالن سے نہیں کھائی، اس لئے کہ دہلی کے سالن ہیں اچور پڑتا تھا اور آموں کی بیع ہر جگہ ناجائز ہوتی ہے قبل از وقت ہونے کی وجہ سے اور یہ تو بہت مشہور واقعہ تھا کہ حضرتؒ کا معدہ کسی مشتبہ چیز کو قبول نہیں کرتا تھا، فوراً قے ہوجاتی تھی۔ اس لئے حضرت کی دعوت کرتے وقت ہر شخص گھبراتا تھا کہ کہیں فضیحت نہ ہوجائے۔ گھر کے لوگ بھی بہت احتیاط کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مولوی نور الحسن کاندھلوی کے پاس تشریف لے گئے جو عزیز تھے انہوں نے کچھ دام اپنے صاجزادے مولوی ابراہیم صاحب کو دیئے کہ خود جا کر ان کا سامان کھانے کے لئے لادیں تاکہ کچھ گڑ بڑ نہ ہو۔ کھانا تیار ہوا اور اُس میں فیرینی بھی تھی جس کے کھاتے ہی قے ہوگئی۔ مولوی نور الحسن صاحب بہت پریشان ہوئے۔ تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ جو دودھ مولوی ابراہیم صاحب لائے تھے وہ گر گیا تھا، پھر دودھ باورچی حلوائی کے یہاں سے وار میں لے آیا تھا۔ دوسرا قصّہ اسی کے قریب جبکہ مولانا نور الحسن صاحب نکوڑ میں تحصیلدار تھے کہ مولانا نور الحسن صاحب نے ایک سپاہی کو بہت سمجھا بجھا کر اور یہ واضح کرکے کہ کوئی گڑ بڑ نہ کیجئے ورنہ تیری اور میری دونوں کی ذلّت ہوگی، یہ کہہ کر اُس کے ہاتھ دودھ جلیبی بازار سے منگوائی۔ اور اُس کو بہت ہی بار بار سمجھا دیا تھا کہ ان ہی پیسوں کی لائیے۔ سپاہی کی عقل میں نہ آئی کہ ذلّت کیوں ہوگی۔ وہ حلوائی سے دودھ جلیبی تو تحصیلدار صاحب کے مہمان کے نام سے مانگ لایا اور پیسے جیب

میں رکھ لئے اور دودھ جلیبی کا چمچہ نوش فرماتے ہی ایک شور مچ گیا۔ سپاہی بیچارے کی عقل ہی میں نہیں آتا تھا کہ ایسی فوری گرفت ہوگی۔

ایک مرتبہ نواب قطب الدین صاحب مؤلف مظاہر حق نے اپنے استاد شاہ اسحٰق صاحب، مولانا محمد یعقوب صاحب، مولانا مظفر حسین صاحب اور چند دوسرے احباب کی دعوت کی، شاہ اسحٰق صاحب نے تو منظور فرمالی اور سب حضرات نے بھی مگر مولانا مظفر حسین صاحب نے منظور نہیں فرمائی اس سے نواب صاحب کو ملال ہوا اور اُنہوں نے شاہ اسحٰق صاحب سے شکایت کی کہ میں نے مولانا مظفر حسین صاحب کی دعوت کی تھی اُنہوں نے انکار کر دیا۔ شاہ صاحب نے مولانا مظفر حسین صاحب پر عتاب فرمایا، اور فرمایا کہ ارے مظفر حسین! تجھے تقویٰ کی بدہضمی ہوگئی۔ کیا نواب قطبُ الدین کا کھانا حرام ہے؟ اُنہوں نے کہا حاشا وکلا، مجھے نواب صاحب پر اس قسم کی بدگمانی نہیں ہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا پھر تو کیوں انکار کرتا ہے؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت! نواب صاحب نے آپ کی بھی دعوت کی ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب کی بھی اور ان کے علاوہ اتنے آدمیوں کی، اور آپ کو پالکی میں لے جائیں گے اس میں بھی ضرور صرف ہوگا، اور نواب صاحب گو بگڑ گئے ہیں مگر پھر بھی وہ نوابزادہ ہیں اور دعوت میں ضرور نوابانہ تکلف بھی کریں گے، اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ نواب صاحب مقروض بھی ہیں اور جتنا روپیہ وہ دعوت میں صرف کریں گے وہ اُن کی حاجت سے زائد بھی ہے تو یہ روپیہ وہ اپنے قرض میں کیوں نہیں دیتے ایسی حالت میں اُن کھانا کراہت سے خالی نہیں۔ یہ بات شاہ صاحب کے ذہن میں بھی آ گئی اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ میاں قطب الدین! اب ہم بھی تمہارے یہاں کھانا نہ کھائیں گے۔ اس پر حضرت حکیم

الامۃ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حاشیہ میں فرماتے ہیں۔ ''قولہ کراہت سے خالی نہیں اقول کہ وہ اعانت بعیدہ ہے مطل فی اداء القرض کی، کیا دقیق تقویٰ ہے اور اُستاذ کیسے مقدس۔ یا تو شاگرد کو لتاڑ رہے تھے یا ان ہی کا اتباع کر لیا۔

(آپ بیتی ص ۲۰۶/۶)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں بھی لکھوا چکا ہوں کہ حضرت کوئی مشتبہ چیز کھالیا کرتے تھے تو گھر میں آکر قے کر دیا کرتے تھے۔

میں ان سب قصوں کا احاطہ نہیں کرتا صرف نمونۃً دکھلائے۔ حضرت گنگوہیؒ کا مرض الوفات میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا بھی پہلے لکھوا چکا ہوں۔ آنکھ بنوانے کا قصہ بھی لکھوا چکا ہوں کہ حضرت کا ارشاد کہ چند دن کی نمازیں تو بہت ہیں ایک سجدہ بھی اس طرح گوارہ نہیں۔

حضرت سہارنپوریؒ کا قصہ بھی پہلے گذر چکا ہے کہ لُو کے زمانہ میں کئی دن تک صرف دوا سے افطار کیا اور رمضان کا روزہ نہیں چھوڑا۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت گنگوہی کے یہاں جب کبھی باہر سے بڑی رقمیں آئیں تو مولانا نے سب واپس کر دیں کہ اب درس نہیں رہا۔ بعض لوگوں نے مولانا کو رائے بھی دی کہ حضرت واپس کیوں کی جائے، صاحب رقم سے کسی دوسرے مصرفِ خیر کی اجازت لے کر اُس میں صَرف فرما دیجئے گا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ میں لوگوں سے کیوں اجازت لیتا پھروں۔

میں نے اپنے دوست صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری ثم المدنی سے کہا تھا کہ میرے اکابر کے تقویٰ کے قصوں کو جمع کر دو، اُنہوں نے جمع کر دیئے

اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ وہ ''علمائے دیوبند کا تقویٰ'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں اپنے کچھ حالات لکھے، مولانا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ بھائی ہمیں تو اب تک بھی یہ حالات نصیب نہیں ہوئے۔ کیا ٹھکانہ ہے تواضع کا۔ پھر فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ نے ایک جگہ قسم کھائی ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں، بعض مخلص لوگوں کو اس سے شک ہو گیا کہ مولانا میں کمال کا ہونا تو ظاہر ہے تو اس قول سے مولانا کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے۔ پھر ہمارے حضرت حکیم الامتؒ نے مولانا کے قول کی تفسیر میں فرمایا کہ بزرگوں کو آئندہ کمالات کی طلب میں موجود کمالات پر نظر نہیں ہوتی، مولانا اپنے کمالات موجودہ کی کمالاتِ آئندہ کے سامنے نفی خیال فرماتے تھے۔

مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا احمد علی صاحب محشی بخاری کلکتہ میں مقیم تھے وہیں پڑھایا کرتے تھے اور چھٹی کے زمانہ میں سہارنپور آتے تو مظاہرِ علوم میں بھی پڑھاتے تھے۔ ایک دفعہ مدرسہ، قدیم کی تعمیر کے زمانہ میں سہارنپور تشریف لے گئے۔ اور واپسی سفر پر ان کے حساب کا پرچہ میں نے خود دیکھا، ایک ایک پیسہ کا حساب کارڈ اور لفافہ کا اس میں درج تھا اور اخیر میں یہ بھی درج تھا کہ کلکتہ سے فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے کی غرض سے گیا تھا، اگرچہ چندہ وہاں انداز سے زیادہ ہوا مگر میرے سفر کی غرض چندہ کی نیت سے جانے کی نہیں تھی ا لئے اتنی مقدار خرچ حساب میں وضع کر لیا جائے۔

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا مظہر صاحب مظاہر علوم اوّل صدر مدرّس کا یہ دستور تھا کہ اوقاتِ مدرسہ میں اگر کوئی ذاتی عزیز ملاقات کے لئے آتا تو بات شروع کرتے وقت گھڑی دیکھ لیتے اور واپسی پر گھڑی دیکھ کر اتنے منٹوں کو تاریخ وار درج کرتے رہتے تھے اور ماہ کے ختم پر ان سب منٹوں کو جمع فرما کر اگر نصف یوم سے کم ہوتا تو آدھے روز کی رخصت اور زائد ہوتا تو پورے روز کی رخصت مدرسہ میں درج کرا دیتے۔ البتہ اگر کوئی فتوی وغیرہ پوچھنے آتا تو اس کو اندراج نہیں کراتے۔

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ ۳۴ھ میں یکسالہ قیام حجاز کے بعد جب سہارنپور تشریف لائے تو یہ کہہ کر مدرسہ کی تنخواہ بند کر دی کہ میں اپنے ضعف و پیری کی وجہ سے مدرسہ کا پورا پورا کام انجام نہیں دے سکتا۔ مگر اب تک چونکہ مولانا محمد یحییٰ صاحب میری جگہ اسباق پڑھاتے تھے اور تنخواہ نہیں لیتے تھے وہ میرا ہی کام سمجھ کر کام کرتے تھے اور میں اور وہ دونوں مل کر ایک مدرس سے زیادہ کام کرتے تھے، اب چونکہ مولانا کا انتقال ہو چکا ہے اور میں مدرسہ کی تعلیم کا پورا کام نہیں کر سکتا اس لئے قبول تنخواہ سے معذور ہوں۔ اس پر حضرت مولانا الشاہ عبدالرحیم صاحب اور حضرت مولانا اشرف علی صاحب وغیرہ ہم سرپرستان نے بہت زور دیا کہ حضرت کیلئے نظامت کا عہدہ تجویز کیا جائے کہ حضرت کے قیام سے سارے مدرسہ والے کام کر سکتے ہیں، اور سبق تبرع ہے جب طبیعت حاضر ہو تو پڑھا دیں۔ اس پر تنخواہ لی۔ میں نے خود تو نہیں دیکھا مگر ایک معتبر

آدمی نے بیان کیا کہ جب کوئی ذاتی ملاقات کیلئے آتا تو حضرت قالین سے نیچے اُتر آتے اور پوچھنے پر فرماتے کہ مدرسہ نے یہ قالین سبق پڑھانے کیلئے دیا ہے جب ہم اپنا ذاتی کام کریں تو اس قالین پر بیٹھنے کا حق نہیں۔ مدرسہ میں دو چار پائیاں حضرتؒ کی ذاتی رہتی تھیں۔ مدرسہ کی چارپائی یا بستر پر کبھی میں نے بیٹھتے نہیں دیکھا۔ مدرسہ کے سالانہ جلسوں میں نہ صرف حضرت بلکہ جملہ مدرسین ہمہ تن مدرسہ کے کام میں مشغول رہتے تھے مگر کھانا اپنے اپنے گھر کھایا کرتے تھے حتیٰ کہ ہمارے مدرسہ کے مہتمم صاحب جو تین شب و روز مدرسہ ہی میں رہتے تھے مگر کھانا اپنے گھر سے منگا کر ایک کونے میں بیٹھ کر کھایا کرتے تھے میں نے بارہا دیکھا۔ مہتمم صاحب مولانا عنایت الٰہی صاحب کے مدرسہ میں دو قلمدان رہتے تھے۔ ایک ذاتی اور ایک مدرسہ کا۔ اپنے گھر وغیرہ جو پرچہ بھیجنا ہوتا وہ اپنے قلمدان اور کاغذ پر لکھتے تھے نیز مولانا ظہور الحق صاحب مدرّس مظاہر علوم جو مطبخ میں مہمانوں کے کھانا پکوانے کی نگرانی کرتے تھے وہ دیگ کا نمک بھی خود چکھتے تھے بلکہ کسی طالب علم یا مہمان کو چکھاتے تھے۔

مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی مہتمم دارالعلوم دیوبند ایک مرتبہ مدرسہ کے ڈھائی سو روپے لیکر مدرسہ کی سالانہ روداد طبع کرانے کیلئے دہلی تشریف لے گئے، اتفاق سے روپے چوری ہوگئے مولوی صاحب نے اس چوری کی کسی کو اطلاع نہیں کی اور مکان آ کر کوئی زمین بیچ کر اور ڈھائی سو روپے لے کر دہلی پہنچے اور کیفیت چھپوا کر لے آئے۔ کچھ دنوں بعد اس کی اطلاع اہل مدرسہ کو ہوئی، اُنہوں نے مولانا گنگوہیؒ کا واقعہ لکھا اور حکم شرعی دریافت کیا، وہاں سے

جواب آیا کہ مولوی صاحب امین تھے اور روپیہ بلا تعدی کے ضائع ہوا ہے اس لئے اُن پر ضمان نہیں۔ اہل مدرسہ نے مولانا محمد منیر صاحب سے درخواست کی کہ آپ روپیہ لے لیجئے اور مولانا کو فتویٰ دکھلا دیا۔ مولوی صاحب نے فتویٰ دیکھ کر فرمایا کہ کیا میاں رشید احمد نے فقہ میرے ہی لئے پڑھا تھا اور کیا یہ مسائل میرے ہی لئے ہیں؟ ذرا اپنی چھاتی پر ہاتھ رکھ کر تو دیکھیں، اگر اُن کو ایسا واقعہ پیش آتا تو کیا وہ بھی روپیہ لے لیتے؟ جاؤ لے جاؤ اس فتویٰ کو، میں ہرگز دو پیسے بھی نہ لوں گا۔

مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

اعلیٰ حضرت رائپوری کا بہت مشہور مقولہ ہے جس کو بار بار حضرت نے فرمایا کہ مجھے مدرسہ کی سرپرستی سے جتنا ڈر لگتا ہے اُتنا کسی سے نہیں لگتا۔ اگر کوئی شخص کسی کے یہاں ملازم ہو، وہ مالک کے کام میں کچھ کوتاہی کرے، کسی قسم کا نقصان پہنچائے ملازمت سے علیحدہ ہوتے ہوئے یا مرتے وقت مالک سے معاف کرالے معاف ہوسکتا ہے، مگر مدرسوں کا روپیہ جو عام غرباء اور مزدوروں کے دو دو پیسے ایک ایک آنہ کا چندہ ہوتا ہے ہم سب سرپرستانِ مدرسہ اس کے مالک تو ہیں نہیں، امین ہیں۔ اگر اس مال کے اندر افراط و تفریط ہو تو ہم لوگوں کے معاف کرنے سے معاف تو ہو نہیں سکتا اس لئے کہ دوسرے کے مال میں ہم کو معافی کا کیا حق ہے اتنا ضروری ہے کہ ہم اگر بمصالح مدرسہ چشم پوشی کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی اُمید ہے کہ وہ ہم سے درگذر فرمالے، لیکن اگر اپنے ذاتی تعلقات سے ہم لوگ تسامح کریں تو ہم بھی جُرم کے اندر شریک ہیں، لیکن جُرم کرنیوالے سے کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوسکتا کہ حقوق العباد ہے اور جن کا مال ہے وہ اتنے کثیر کہ ان سے معاف نہیں کرایا جاسکتا۔

مولانا عنایت الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عنایت الٰہی صاحب جن کا اُوپر ذکر گذر چکا، ساری عمر مدرسہ کے ساتھ انتہائی جانفشانی بیک وقت تدریس، افتاء، تحصیل چندہ شہر اور عدالتی کارروائیوں کے ساتھ جن کے لئے آج کل مستقل چار آدمی بلکہ اس سے بھی زیادہ کام کرتے ہیں، مدرسہ کی دوسری ضروریات بھی انجام فرماتے رہتے تھے اور اپنے ضعف و پیری میں اس قدر معذور ہو گئے کہ گھر سے صبح کو ڈولی میں بیٹھ کر آیا کرتے تھے، سارے دن مدرسہ کے کاموں میں مشغول رہتے تھے، دوپہر کو کوئی گھر سے کھانا لا دیتا تو دفتر کے کونے میں بیٹھ کر ٹھنڈا ہی کھا لیا کرتے تھے۔ ان تمام امور کے پیش نظر میں نے یہ تحریک کی تھی کہ حضرت مہتمم صاحب کے لئے اُن کی حُسنِ کارگذاری کے ذیل میں کوئی معمولی سی پنشن مدرسہ سے ہو جائے۔ سب سے پہلے تو ہمارے مدرسہ کے ناظم صاحب مولانا عبدالطیف صاحب نے میری تجویز کی مخالفت کی۔ میں نے گستاخانہ عرض کیا کہ جناب کو بھی یہ دِقت پیش آنے والی ہے، حضرت ناظم صاحب نے فرمایا کہ ایسی اگر نوبت آئی تو میں پانوں کی دکان لے کر دار الطلباء کے قریب بیٹھ جاؤں گا۔ اور حضرت حکیم الامت سرپرست مدرسہ نے میری تجویز پر تحریر فرمایا کہ مدرسہ کے موجودہ چندہ سے پنشن جائز نہیں، اس کیلئے آپ ایک مستقل مد قائم کر کے چندہ کریں اُس میں سے پنشن دی جاسکتی ہے۔ مہتمم صاحب کے متعلق تم نے جو لکھا بالکل صحیح ہے، میں ذاتی طور سے خوب واقف ہوں، اُن کے لئے جو تم مناسب سمجھو تنخواہ تجویز کر کے مخصوص احباب سے چندہ مقرر کرا لو، پانچ روپے ماہانہ میں اپنی ذات سے دوں گا۔ مالِ وقف کے سلسلہ میں اس نوع کے بہت سے واقعات ''آپ بیتی نمبر ا'' میں گذرے ہیں۔

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

خود حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی میں بھی اس قسم کے بہت سے واقعات کثرت سے ملتے ہیں۔ ''اشرف السّوانح'' میں لکھا ہے کہ حضرت والا کی خصوصیات خاصّہ میں سے یہ ہے کہ اگر کبھی تھوڑا سا بھی مسجد کا گرم پانی وضوء سے بچ جاتا ہے تو اُس کو بھی سقاوہ ہی میں جا کر ڈال آتے ہیں تاکہ مسجد کا اتنا سا مال بھی ضائع نہ ہو جائے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں جب حضرت گنگوہیؒ نابینا ہو گئے تو میں کبھی ویسے ہی چپکے سے جا کر نہیں بیٹھا بلکہ جب گیا یہ کہدیا کہ اشرف علی آیا ہے۔ اور جب چلنے لگا تو کہہ دیا کہ اشرف رخصت چاہتا ہے۔ ویسے چپکے سے جا کر بیٹھنے میں تجسّس سے مشابہت ہے۔ تشبہ بالمتجسس بھی تجسّس ہے، آنے جانے کی اطلاع سے یہ فائدہ تھا کہ شاید کوئی بات میرے سامنے فرمانا نہ چاہیں اور حضرت فرمانے لگیں۔ ایک سفر میں کسی چھوٹے اسٹیشن پر بارش کی وجہ سے اسٹیشن ماسٹر نے حکیم الامت کو گودام میں ٹھہرا دیا جب رات ہوئی تو ریلوے کے کسی ملازم کو اُس میں لالٹین جلانے کا حکم بھی دیدیا۔ حضرت کو شبہ ہوا کہ یہ کہیں ریلوے کمپنی کی لالٹین نہ ہو۔ لیکن اس خیال سے منع فرمانے میں بھی تامل ہوا کہ یہ ہندو ہے، دل میں کہے گا کہ اسلام میں ایسی تنگی اور سختی ہے۔ اسی کشمکش میں دل ہی دل میں دعاء شروع فرمادی کہ یا اللہ آپ ہی اس سے بچایئے۔ اس کے بعد ہی بابو نے ملازم سے پکار کر کہا کہ دیکھ اسٹیشن کی نہیں ہماری لالٹین جلانا۔ حضرت نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ اسٹیشن کی لالٹین تھوڑا ہی جلنے دیتا۔ اندھیرے ہی میں بیٹھا رہتا۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے کسی خادم کے پاس حضرت حاجی صاحبؒ کی ایک تسبیح

تھی جس کو انہوں نے حضرت والا کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت نے دریافت فرمایا کہ یہ جائز طریقہ سے ملی ہے؟ عرض کیا کہ خود حضرت حاجی صاحبؒ نے عطاء فرمائی ہے۔ مزید اطمینان کے لئے پھر دریافت فرمایا کہ مرضِ وفات میں یا اس سے پہلے عرض کیا کہ مرضِ وفات سے پہلے۔ تب حضرت نے اس کو قبول کیا۔ ایک مرتبہ حکیم الامت سہارنپور سے کانپور تشریف لیجارہے تھے، کچھ گنّے ساتھ تھے جن کو محصول ادا کرنے کی غرض سے اسٹیشن پر تلوانا چاہا مگر کسی نے نہ تولا، بلکہ ازراہ عقیدت ریلوے کے غیر مسلم ملازمین نے بھی کہدیا کہ آپ یوں ہی لیجایئے ہم گارڈ سے کہہ دیں گے، حضرتؒ نے فرمایا کہ گارڈ کہاں تک جائے گا؟ کہا غازی آباد تک، فرمایا غازی آباد سے آگے کیا ہوگا؟ کہا گیا کہ یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے کہہ دے گا حضرتؒ نے فرمایا کہ اور آگے کیا ہوگا؟ کہنے لگا کہ وہ کانپور تک لیجائے گا اور وہاں آپ کا سفر ختم ہو جائے گا۔ فرمایا نہیں، وہاں سفر ختم ہوگا ایک اور سفر آخرت بھی ہے وہاں کیا انتظام ہوگا، یہ سن کر سب دنگ رہ گئے اور بہت متاثر ہوئے۔

شیخ الاسلام مولانا سید حسین مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ جب کراچی سے رہا ہو کر آئے تو بنگال کونسل کے ایک ممبر نے ان سے کہا کہ ۴۰ ہزار روپے نقدا اور ڈھاکہ یونیورسٹی میں پانچ سو روپے ماہوار کی پروفیسری آپ کے لئے ہے اس کو منظور فرمالیں۔ حضرتؒ نے پوچھا کام کیا کرنا ہوگا؟ ممبر صاحب نے کہا کچھ نہیں صرف تحریکات میں خاموش رہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس راستہ پر لگا گئے ہیں اُس سے نہیں ہٹ سکتا۔ یہ واقعہ حضرتؒ نے خود بیان فرمانے کے بعد

حاضرین کو نصیحت فرمائی کہ آپ صاحبان اس کام میں لگے رہیں۔ نظر انداز نہ ہونا چاہئے کہ یہ ۱۹۲۳ء کی بات ہے، اُس وقت حضرت کے لے ملازمت کا کوئی سلسلہ نہیں تھا۔ کچھ عرصہ بعد سہلٹ تشریف لے گئے تو مشاہرہ تقریباً ڈیڑھ سو روپے تھا۔ مولانا اسمعیل صاحب سنبھلی جو حضرت کے خلیفہ بھی ہیں بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ٹرین میں حضرت والا فرسٹ کلاس میں سفر کر رہے تھے۔ ایک ہندو صاحب بہادر بھی اس ڈبّہ میں تھے، وہ قضائے حاجت کے لئے پاخانہ میں گئے اور فوراً واپس آ گئے۔ حضرت شیخ نے بھانپ لیا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے اُٹھے، پاخانہ میں گئے، وہ نہایت گندہ ہو رہا تھا۔ وہاں سگریٹ کے ڈبے پڑے ہوئے تھے اُن سے صاف کیا، پھر واپس تشریف لے آئے، تھوڑی دیر بعد صاحب بہادر سے دریافت کیا کہ آپ پاخانہ سے کیوں واپس آ گئے تھے؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ وہ بہت گندہ ہے حضرت نے فرمایا کہ وہ تو صاف ہے ملاحظہ فرمائیے۔ صاحب بہادر بے حد متاثر ہوئے (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر) اس ناکارہ نے ایک دفعہ حضرتؒ سے عرض کیا کہ آپ کی جلالت شان کی وجہ سے کوئی کہہ سکے یا نہ کہہ سکے مگر مدرسہ کی تنخواہ کے ساتھ یہ اسفار کی کثرت بہت سے لوگوں کو چھبتی ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے وہ شرائط نامہ جو دارالعلوم کی صدر مدرسے کے وقت قرار پایا تھا اور حضرت کی عینک کے خانہ میں ہر وقت رہتا تھا نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ آپ اسے پڑھ لیجئے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس میں تو اتنی وسعت ہے کہ اس کے مقابلہ میں حضرت کے اسفار بہت کم ہوتے تھے۔ وہ وقت ہی ایسا تھا کہ دارالعلوم کی موت وحیات حضرت کی آمد پر موقوف تھی۔ کانگریسی اخبارات ورسائل جو دارالعلوم کی مخالفت میں بہت زوروں پر تھے، حضرتؒ کی آمد پر ایسے ساکت ہوئے کہ پھر

کوئی مخالفت کی زوردار آواز نہ نکلی۔ البتہ بعض حضرت کے مخالفین کی طرف سے چندہ کی کمی وغیرہ کے الزامات قائم کئے گئے، مگر حضرتؒ نے دارالعلوم کے چندہ میں جو مساعی جمیلہ اس وقت فرمائی ہیں اوہ اس ناکارہ کو خوب معلوم ہیں۔ ہر سفر میں بڑی بڑی رقمیں لیکر حضرت آتے تھے، اور دارالعلوم میں غلّہ اسکیم کے جلسہ کی بنیاد بھی حضرتؒ نے ہی ڈالی تھی۔ قاضی ظہور الحسن سیوہاروی راوی ہیں کہ ۱۹۲۰ء میں سیوہارہ میں جو عظیم الشان جلسہ ہوا تھا میں اُس کا ناظم تھا ہندوستان کے مشہور ہندو مسلم لیڈر اور علماء نے اس میں شرکت کی تھی۔ میں نے مدعووین کو سیکنڈ کلاس کا کرایہ اور ایک خادم کا کرایہ اور کچھ زائد خرچ بذریعہ منی آرڈر روانہ کردیا تھا۔ مولانا اس زمانہ میں کلکتہ میں مقیم تھے۔ ان کو بھی مدعو کیا گیا تھا اور بحساب بالا منی آرڈر بھیج دیا گیا تھا، کلکتہ سے سیوہارہ تک میل ٹرین کا ۲۶ گھنٹے کا سفر ہے۔ مولانا بنفس نفیس تشریف لائے، کوئی خادم وغیرہ ساتھ نہ تھا۔ کیمپ آتے ہی سب سے پہلے حضرتؒ نے دریافت کیا کہ ناظم صاحب کا دفتر کہاں ہے؟ دفتر میں میرے پاس آئے اور سلام و مصافحہ کے بعد میز پر ایک پرچہ اور کچھ روپیہ رکھ کر قیام گاہ تشریف لے گئے۔ پرچہ کو دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا نے تھرڈ کلاس میں سفر کیا ہے اور ناشتہ وغیرہ میں صرف سات آنے خرچ کئے۔ کسی لیڈر کسی عالم نے ایسی کفایت شعاری کا عمل نہیں کیا۔ جب واپسی کا دن آیا تو ممبران جلسہ نے طے کیا کہ مولانا کو سو ۱۰۰ روپے رخصانہ میں پیش کئے جائیں۔ جب میں نے اس قرار داد کے موافق رقم پیش کی تو مولانا نے فرمایا کہ جو پرچہ میں نے آپ کو دیا تھا کیا وہ گُم ہوگیا؟ میں نے کہا موجود ہے شامل حساب ہے۔ تو فرمایا کیا آپ نے اُسے دیکھا نہیں؟ میں نے کہا میں نے اُس کو دیکھا ہے اور رجسٹر حساب میں اس کا اندراج کرایا ہے۔ فرمایا بس

مجھے اُسی قدر دے دیجئے۔ میں نے عرض کیا کمیٹی نے جو تجویز کیا ہے میں وہ پیش کر رہا ہوں اور آپ کو بھی کمیٹی کی تجویز کو قبول کرنا چاہئے۔ فرمایا کمیٹی میں کتنے ممبر ہیں؟ میں نے کہا ہم سات آدمی ہیں۔ فرمایا اس جلسہ پر جو روپیہ خرچ ہو رہا ہے وہ آپ ہی صاحبوں کا ہے یا چندہ عام ہے؟ میں نے کہا عام چندہ ہے۔ فرمایا پھر آپ کو اس طرح صرف کرنے کا حق نہیں ہے۔ میں نے کہا پبلک نے ہم کو اختیار دیا ہے۔ کہنے لگے کہ پبلک نے آپ کو یہ سمجھ کر اختیار دیا ہے کہ آپ کفایت شعاری کے ساتھ واجبی طور پر خرچ کریں گے۔ آپ اس بے دردی سے خرچ کرنے کے مجاز ومختار نہیں ہیں۔ میں نے کچھ اور کج بحثی کی، آخر فرمایا کہ میں اس سے زیادہ نہیں لوں گا۔ (الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر ص ۱۴۷)

مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے ساتھ پنجاب کے سفر میں بہت بڑا مجمع ہو جاتا تھا۔ بہت دفعہ اس کی نوبت آئی کہ تشریف لے جانے سے پہلے حضرت نے فرمایا دیا کہ میں فلانے کا مدعو ہوں اور اس سے زائد پانچ آدمی میرے ساتھ ہوں گے اس سے زائد جو ہوں وہ اپنے قیام وطعام کا انتظام کر لیں۔ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری نور اللہ مرقدہٗ کو ڈاکٹر برکت علی نے کچھ دنوں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں رہنے کو کہہ دیا تھا، حضرت کے وہاں قیام کی وجہ سے اس دوران میں بہت چندہ بھی ہوا۔ حضرت نے اپنے اس چند روزہ قیام کی وجہ سے چندہ کے نام سے بہت بڑا کرایہ ادا کیا۔ ہر چند حضرت کو منع کیا گیا کہ حضرت کا قیام مدرسہ کی ضروریات میں داخل ہے، حضرت کے یہاں قیام کی وجہ سے مدرسہ کو بھی بہت نفع ہوا ہے، مگر حضرت نے منظور نہیں

فرمایا۔ خود بھی چندہ کے نام سے کرایہ ادا کیا اور حضرت کے قیام کی وجہ سے جو مہمان پنجاب وغیرہ سے آتے تھے اُن سے بھی خاص طور سے تاکید کر کے چندہ دلوایا کہ ان لوگوں کا قیام بھی مدرسہ میں ہوتا تھا۔ خاص طور سے پاکستان سے آنیوالے مہمانوں سے بھی چندہ دلوایا، اسی طرح رائپور خانقاہ میں اعلیٰ حضرت کی کوٹھی چونکہ مدرسہ میں وقف تھی اسلئے اُس کا کرایہ بھی حضرت چپکے چپکے چندہ کے نام سے ادا کرتے رہتے تھے۔ نہایت عجلت میں نہایت بیماری میں جو واقعات یاد آئے یا سہولت سے ملے لکھوادیئے جو مشتے نمونہ از خروارے بھی نہیں ہیں۔

مقصد اس تحریر سے یہ تھا کہ ہر شخص پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔ مفتیوں کے ذمہ ہے کہ وہ ظاہر الفاظ پر فتویٰ دیں لیکن جب اُنہیں حقیقت حال معلوم ہو جائے تو اُنہیں اپنے فتویٰ کی تاویل کرنے میں ذرا بھی اشکال نہیں ہونا چاہیئے بلکہ تاویل کرنی لازم ہے۔ وما توفیقی الا باللہ۔

اولٰئک ابائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع
یا تنگ نہ کر مجھے ناصح ناداں اتنا
یا لاکے دکھادے دہن ایسا کمر ایسی

فقط

والسلام۔

زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ

۱۹ جمادی الثانیہ ۱۳۹۸ھ مدینہ منورہ

ہماری چند کتب

اسوۂ رسول اکرم ﷺ
اختلاف امت اور صراط مستقیم
بہشتی زیور مکمل
ایمان کیا ہے؟
تقدیر کیا ہے؟
اسلامی سیاست
امہات المومنین
مسلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج
انسانیت موت کے دروازے پر
حقیقت الصلوٰۃ
رواداری سیرت طیبہ کی روشنی میں
شیاطین سے حفاظت
کیا خدا ہے؟
علمائے دیوبند کا تقویٰ
علمائے دیوبند اتباع شریعت کی روشنی میں
خطبات جمیل
جنتی عورت
مسلمان عورت
مثالی خاوند مثالی بیوی
ٹی وی نے کیا کیا رنگ دکھائے
گلدستہ خواتین
انسان اور اس کا بہتر مستقبل
اصلاح نفس اور تبلیغی جماعت
اوراد و وظائف
اعمال مسجد
آخرت کے فکرمندوں کے 50 پچاس قصے
بابرکت دعائیں
اللہ کی بڑائی
بہترین امت
بے نمازی مقام عبرت
تبلیغی کام کی حیثیت
مستورات اور دین کی محنت
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟
مثالی زندگی۔
حقیقی زندگی
نظام قدرت
کامیاب انسان۔
بھٹکا ہوا انسان
پاکیزہ زندگی پاکیزہ ماحول سے بنتی ہے
تبلیغی کام کے اہم اصول
تحفۃ النکاح
ٹی وی کی تباہ کاریاں۔
ٹی وی اور عذاب قبر